عام طور پر ہمارے یہاں

توحید علمی ونظری ـــــ یعنی ـــــ توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے' لیکن

توحیدِ عملی

پر کما حقہ توجہ نہیں دی جاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر ـــــ تا ـــــ سورۂ شوریٰ پر تدبر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: **اخلاص فی العبادت** اور **اقامت دین کی فرضیت**

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی' اور

شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دے دی

اب کمپیوٹر کمپوزنگ پر' نئے گٹ اپ کے ساتھ' نظر ثانی شدہ ایڈیشن

قیمت اشاعت خاص: **100** روپے ' اشاعتِ عام: **60** روپے

شائع کردہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: **03-5869501**

نمبر 9-2-04
ماڈل ٹاؤن لاہور

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر:

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۳ | ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ - فروری ۲۰۰۴ء | شمارہ ۲

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرتعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

بین الاقوامی دانشوروں کی لاہور آمد

جنوبی ایشیا میں فکری تحریکات' دنیائے اسلام میں اسلام کی تجدید ونشاۃ ثانیہ کی احیائی تحریکات' اسلام کے سیاسی وسماجی ومعاشی نظام اور عصر حاضر میں دیگر اہم پیش آمدہ مسائل پر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے اسلام اور قرآن کے حوالے سے نظریات کو سمجھنے کے لئے امریکہ سے بین الاقوامی دانشوروں کا ایک وفد گزشتہ دنوں لاہور آیا۔ ترکی' امریکہ اور برطانیہ کے دانشوروں اور مفکروں پر مشتمل اس نو (۹) رکنی وفد نے' جس کے زیادہ تر ارکان امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں کے پروفیسر حضرات تھے' ڈاکٹر ابراہیم ابوربیع کی قیادت میں ۱۰ جنوری سے ۱۲ جنوری تک محترم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ''راؤنڈ ٹیبل'' مذاکرات کئے' جن میں محترم ڈاکٹر صاحب نے متعلقہ موضوعات پر بڑی وضاحت وجامعیت کے ساتھ اظہارِ خیال فرمایا اور ارکانِ وفد کے استفسارات وتنقیدات کی گرہ کشائی کی۔ ان نشستوں کی کل طوالت ۱۵ گھنٹے بنتی ہے۔ ان مذاکرات کی مفصل روداد وفد کے ایک رکن ڈاکٹر روجروین زوان برگ خود مرتب کر کے اپنے مشہور و معروف مطبع ''پلوٹو پریس'' لندن سے کتابی صورت میں شائع کریں گے' جس کا اردو ترجمہ مرکزی انجمن کے زیر اہتمام لاہور سے شائع کیا جائے گا۔ وفد کے ہمراہ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے امیر مصطفیٰ الترک بھی تشریف لائے تھے' انہوں نے ان سہ روزہ ''راؤنڈ ٹیبل'' مذاکرات کی ایک رپورٹ مرتب کر کے امریکہ سے ارسال کی ہے۔ قارئین حکمت قرآن کی دلچسپی کے لئے یہ رپورٹ پیش نظر شمارے میں شامل اشاعت کی جارہی ہے۔ oo

درس ۲۶

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱۰)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۞ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۞ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۞ ﴾ (آیات ۱۴ تا ۱۸)

اس وقت سورۃ الحدید کا تیسرا حصہ ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ ماقبل درس میں ہم آیت ۱۴ پر غور کر رہے تھے جس میں نفاق کے مختلف باطنی مراحل کا ذکر ہوا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ انسان ایک دم پکا منافق نہیں ہو جاتا' بلکہ اس بیماری میں درجہ بدرجہ مبتلا ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ المنافقون میں ذکر ہوا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ

كَفَرُوْا ﴾ ''یہ اس لئے ہوا کہ وہ ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا''۔ اور اس آیت میں درحقیقت نفاق کی باطنی تشریح ہے اور میدانِ حشر کے ایک مرحلے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ ﴾ ''وہ (منافقین) انہیں (اہل ایمان کو) پکار کر کہیں گے: کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' ﴿ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۞ ﴾ ''(جواب میں) اہل ایمان کہیں گے کہ کیوں نہیں' لیکن تم نے اپنے آپ کو (اپنے ہاتھوں) فتنے میں ڈالا اور تم گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے اور تم شکوک و شبہات میں پڑ گئے اور جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا' یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور بہت بڑے دھوکے باز (شیطانِ لعین) نے تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں مبتلا کئے رکھا''۔

یہاں مختلف کیفیات کے مابین حرفِ عطف آیا ہے۔ عطف میں مغائرت تو ہوتی ہے لیکن لازمی نہیں ہوتا کہ اس میں زمانی ترتیب بھی ہو۔ البتہ اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ترتیبِ زمانی بھی ہے' اور وہ اس طرح کہ ایک چیز کے نتیجے میں دوسری چیز واقع ہو رہی ہے' دوسری چیز کے نتیجے میں تیسری چیز اور پھر تیسری چیز کے نتیجے میں چوتھی چیز واقع ہو رہی ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ کی درحقیقت یہی عظمت ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۲۰ میں بھی یہی انداز ہے اور وہ بھی اس سورۂ مبارکہ کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ یہاں فرمایا گیا: ﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''لیکن تم نے اپنے آپ کو (اپنے ہاتھوں) فتنے میں مبتلا کیا''۔ یعنی تم نے علائق دُنیوی اور مال و اسباب دُنیوی سے تعلق جائز حد تک نہیں رکھا' بلکہ اس کو حد سے بڑھنے دیا۔ ﴿وَتَرَبَّصْتُمْ﴾ ''اور (اس کے نتیجے میں) تم گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے''۔ تم تردّد اور تذبذب کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ ﴿ وَارْتَبْتُمْ ﴾ ''اور (اس تذبذب کے نتیجے میں) تمہارے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے''۔

جیسے یہ ایک حقیقت ہے کہ عمل صالح سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان سے

عمل صالح میں اضافہ ہوتا ہے بالکل ایسے ہی برائی کا معاملہ ہے کہ ایک برائی کے نتیجے میں ایک اور برائی جنم لیتی ہے اور پھر اس کے نتیجے کے طور پر برائی اور خرابی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو یہاں بھی درجہ بدرجہ پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایمان کی جتنی تھوڑی بہت پونجی حاصل تھی اس میں شکوک وشبہات کے کانٹے چبھنے شروع ہو گئے۔ درحقیقت ایمان لانے کے بعد پھر ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں ایک مؤمن صادق کی تعریف یوں کی گئی ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ ''حقیقی (اور سچے) مؤمن تو صرف وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر شک میں نہیں پڑے''۔ ﴿وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے''۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں سچے (اپنے دعوائے ایمان میں)''۔

آگے فرمایا: ﴿وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ﴾ ''اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالے رکھا''۔ اب ظاہر بات ہے انسان کے اندر ضمیر تو آخر موجود ہے' ایک دم تو ایمان زیرو نہیں ہو جاتا' بلکہ ایمان کی کچھ نہ کچھ رمق تو باقی رہتی ہے۔ تو جب ضمیر ملامت کرتا ہے تو انسان کچھ من گھڑت خیالات اور من گھڑت عقائد قائم کر لیتا ہے۔ اس کی کچھ دلفریب تمنائیں (wishful thinking) ہوتی ہیں کہ اللہ ہمیں بخش ہی دے گا۔ اس لئے کہ ہم تو اللہ سے خصوصی نسبت رکھتے ہیں' اُمت مرحومہ میں ہیں۔ ع ''کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوب کی اُمت میں ہیں!'' ہمارا ایمان کا دعویٰ تو بہرحال اپنی جگہ پر برقرار ہے' لہٰذا ہم تو بخش ہی دیئے جائیں گے۔ تو اس سے ان کا معاملہ مزید پختہ ہوا اور وہ درجہ بدرجہ نفاق میں ترقی کرتے گئے۔ ﴿حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا''۔ ﴿وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝﴾ ''اور بہت بڑے دھوکے باز (شیطانِ لعین) نے تمہیں اللہ کے معاملے میں خوب دھوکہ دیا''۔ اس نے تمہیں اللہ کی شانِ رحیمی اور شانِ غفاری کے حوالے سے دھوکہ دیا۔ بالکل یہی انداز سورۃ الانفطار میں

اختیار کیا گیا ہے کہ تم دراصل اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری اور شانِ رحیمی کا زیادہ حوالہ دے کر اور اس سے دھوکہ کھا کر اللہ کی جزا و سزا کا انکار کر رہے ہو' تم دین کی تکذیب کر رہے ہو' تم نے دراصل اللہ کے جزا و سزا کے قانون کی نفی کر دی ہے۔ یقیناً وہ غفور بھی ہے' وہ رحیم بھی ہے' لیکن وہ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (سزا دینے میں سخت) بھی ہے' عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ (انتقام لینے میں سخت) بھی ہے۔ لہٰذا بندۂ مؤمن کا معاملہ اللہ کے ساتھ ''بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ'' والا رہنا چاہئے کہ اس کی شانِ غفاری سے امید بھی ہو کہ اللہ بخش دے گا' لیکن اس کی سزا کا اندیشہ اور خطرہ بھی رہے۔ اس طرح رویہ متوازن رہے گا۔ اگر ذرا سا بھی رویہ غیر متوازن ہو گیا اور اللہ کی شانِ رحیمی اور شانِ غفاری پر تکیہ زیادہ ہو گیا تو نتیجتاً تم ڈھیلے ہو جاؤ گے' تمہارے اعصاب ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ اس لئے کہ پھر آدمی خیال کرتا ہے کہ وہ کاہے کو زیادہ کھکھیڑ مول لے' کاہے کو زیادہ قربانیاں دے' کاہے کو زیادہ مشقتیں جھیلے' کاہے کو پیٹ پر پتھر باندھے' کاہے کو اپنی معاش کے دروازے تنگ کرتا چلا جائے' کاہے کو اپنے لئے دُنیوی ترقی کے راستے مسدود کرے؟ ظاہر بات ہے یہ سب کچھ تو وہی کرے گا جو سمجھے گا کہ مسئولیت لازماً ہونی ہے' ورنہ اللہ کی طرف سے پکڑ اور عذاب کا شدید خطرہ ہے۔

یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سورۂ لقمان اور سورۂ فاطر میں اس پر پوری پوری آیتیں آئی ہیں۔ سورۂ لقمان میں فرمایا گیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (آیت ۳۳)

''اے لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی بدلہ (فدیہ' کفارہ وغیرہ) نہیں دے سکے گا' اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کے کسی درجے میں کام آ سکے گا۔ (یاد رکھو!) یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے۔ تو (دیکھنا) تمہیں دنیا کی زندگی دھوکہ نہ دینے پائے' اور (دیکھنا) تمہیں اللہ (کی شانِ رحیمی اور شانِ غفاری) پر دھوکہ نہ دے یہ بڑا

دھوکے باز (شیطانِ لعین)''۔

اس کا خلاصہ سورۂ فاطر میں یوں ذکر ہوا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (آیت ۵)

''اے لوگو! اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے (شدنی ہے' جزا وسزا ہو کر رہے گی)۔ تو (دیکھنا) تمہیں یہ دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور (دیکھنا) وہ بہت بڑا دغاباز (شیطان لعین) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ نہ دینے پائے''۔

ایک اور جگہ قیامت کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ﴾ کہ قیامت لازماً آ کر رہے گی اور حساب و کتاب ہو کر رہے گا۔ اور: ﴿وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ﴾ کہ جزا وسزا واقع ہو کر رہیں گے' اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

بہرحال یہ نفاق کے وہ پانچ مدارج ہیں جن میں ایک صاحب ایمان مبتلا ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ اُس آدمی کا نفاق نہیں ہے جو دھوکہ دینے کے لئے ہی ایمان لایا ہو' بلکہ یہ ایسا نفاق ہے کہ آدمی ایمان تو لاتا ہے خلوصِ دل سے' لیکن پھر اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا' بلکہ بچ بچ کر چلنا چاہتا ہے' جبکہ ایمان تو قربانیاں مانگتا ہے۔ ع ''جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں!'' بچ بچ کر چلنے والوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ع ''مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز!'' چنانچہ وہ ایک طرح کی باطنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بقول غالب ع ''کعبہ مرے پیچھے ہے' کلیسا مرے آگے!''

منافق کا حسرت ناک انجام

اب اس نفاق کا انجام کیا ہے! فرمایا: ﴿فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ﴾ ''تو آج کے دن نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ کافروں سے''۔ یہ بہت پیارا انداز ہے۔ یہاں منافقوں کو کافروں کے ساتھ بریکٹ کر دیا گیا ہے۔ اصل میں یہ جواب ہے ان کے اس قول کا کہ: ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ﴾ ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' تو فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں تم یقیناً اہل ایمان کے ساتھ تھے'

چونکہ تم قانونی طور پر مسلمان تھے لہٰذا ان کے ساتھ شامل رہے' یہاں تک کہ حضور ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ لیکن یہاں تم انجام کے اعتبار سے کفار کے ساتھ شامل ہو۔ دراصل یہی نفاق ہے کہ قانوناً تو ایسا شخص دنیا کی زندگی میں مسلمان سمجھا جاتا ہے' جبکہ حقیقتاً' عاقبت اور انجامِ کار کے اعتبار سے وہ کفار کے ساتھ ہے۔ آگے فرمایا جا رہا ہے: ﴿مَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ ''تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے''۔ نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید میں طنز کا پہلو بھی ہے۔ آوٰی' یُـؤْوِیْ' اِیْـوَاءً کا مطلب ہے ''کسی کو پناہ دینا''۔ اس سے لفظ ''مَـاْوٰی'' بنا ہے جس سے مراد ہے پناہ گاہ' جس کی طرف انسان کسی خطرے سے بچنے کے لئے دوڑتا اور لپکتا ہے۔ طوفان سے بچنے کے لئے اگر کسی نے پہاڑ کے اندر کوئی جگہ تلاش کر لی تو وہ اس کے لئے ''مأویٰ'' ہے۔ تو فرمایا: ﴿مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ﴾ کہ اب تمہاری پناہ گاہ یہی آگ ہے۔ ﴿هِىَ مَوْلٰىكُمْ ۭ﴾ ''یہی تمہاری خبر گیری کرنے والی ہے''۔ یہاں 'مولیٰ' کا لفظ بھی طنزاً استعمال ہوا ہے۔ مولیٰ کا مطلب ہے ہمدرد' غم گسار' مددگار' دوست' پشت پناہ' ساتھی وغیرہ۔ لہٰذا فرمایا: ﴿هِىَ مَوْلٰىكُمْ ۭ﴾ کہ یہی آگ تمہاری ہمدرد اور غمگسار ہے' دکھ درد کہنا ہے تو اس سے کہو' نالہ وشیون ہے تو اسی سے کرو۔ مزید فرمایا: ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝﴾ ''اور یہ بہت ہی بری ہے لوٹنے کی جگہ''۔ ''مَصِیْر'' کا مطلب ہے جانے کی جگہ' وہ جگہ جہاں انسان انجامِ کار پہنچا دیا جائے۔

تاخیر وتعویق = شیطان کا ایک اور وار!

اب یہاں سے سورۃ الحدید کا چوتھا حصہ شروع ہو رہا ہے' جو چار آیات (۱۶ تا ۱۹) پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ بھی میرے نزدیک اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن مجید کا نقطۂ عروج ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے یہ جو حقائق درجہ بدرجہ منکشف ہوئے ہیں' اس کے بعد اگر کسی کو اپنے گریبان میں جھانکنا نصیب ہو اور اپنی ایمانی کیفیت اور حقیقت کو دیکھنے اور ٹٹولنے کی توفیق میسر آ جائے (اللہ کرے کہ ایسا ہو!) اور وہ اپنی اصلاح کا ارادہ کر لے تو اس پر بھی شیطان حملہ آور ہوتا ہے۔ اُس وقت شیطان کا حملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو تاخیر اور تعویق میں مبتلا کر دیتا ہے۔ انسان خیال کرتا ہے کہ ٹھیک ہے

مَیں اپنا رویہ صحیح کرلوں گا' لیکن پہلے ذرا یہ کام کرلوں' ذرا یہ ذمہ داریاں ادا ہو جائیں' ابھی ذرا ملازمت سے ریٹائر ہولوں پھر اپنی اصلاح اور دین کا کام کروں گا۔ یا پھر یہ کہ ذرا بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں' ذرا بچوں کے مستقبل کا معاملہ ہے۔ اسی طرح بچوں کے بعد پھر بچوں کے بچے سامنے آئیں گے اور ان کے مسائل شروع ہو جائیں گے۔ ع ''کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد!'' تو جان لیجئے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد تو انسان کے ہاتھ میں کچھ رہ ہی نہیں جاتا کہ وہ کچھ کر سکے۔ سرکار کھوکھلا کر کے ہی تو چھوڑتی ہے۔ اس وقت تک تمام توانائیاں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔

اس تاخیر و تعویق کی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بہترین تاویل کی ہے۔ یہ ان تین صحابہ ﷺ میں سے ایک ہیں جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ غزوۂ تبوک میں نفیر عام تھی کہ ہر صاحب ایمان اللہ کی راہ میں نکلے' تو منافقین نے تو آ کر جھوٹے بہانے بنا کر معذرت کر لی اور اجازت لے لی' کچھ بغیر اجازت لئے بھی بیٹھے رہے' لیکن جب حضور ﷺ واپس آئے تب وہ قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ حضور! میں تو لشکر کے ساتھ جانے کے لئے بالکل تیار تھا' مَیں نے تو سواری بھی تیار کی ہوئی تھی' لیکن عین وقت پر یہ مصیبت آ گئی کہ میں رک گیا۔ اور حضور ﷺ کی یہ عادتِ ثانیہ تھی کہ ایسے جھوٹوں سے زیادہ اعتناء نہیں فرماتے تھے' بس کہہ دیتے کہ جایئے! لیکن یہ تین صحابہ جن میں سے ایک حضرت کعب بن مالکؓ ہیں' اگرچہ مؤمنین صادقین میں سے تھے مگر اس لشکر کے ساتھ نہیں جا سکے تھے۔ واپسی پر جب حضور ﷺ کی طرف سے باز پرس ہوئی تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ حضرت کعب بن مالک ﷺ نے اس موقع پر عرض کیا: حضور! زبان میرے پاس بھی ہے' طلاقت لسانی مجھے بھی حاصل ہے' میں بھی جھوٹے بہانے بنا کر اس وقت آپؐ کی پکڑ سے اپنے آپ کو بچا سکتا تھا' لیکن مَیں صاف اعتراف کرتا ہوں کہ جتنا صحت مند مَیں اِس زمانے میں تھا پہلے اتنا کبھی نہیں رہا' اور جتنا غنی مَیں اس زمانے میں تھا اتنا پہلے کبھی نہیں رہا۔ یعنی نہ تو میرے پاس وسائل کی کمی تھی اور نہ میں بیمار تھا۔ بس ہوا صرف یہ کہ میں تاخیر و تعویق میں پڑ گیا۔

میرے نفس نے مجھے یہ دھوکہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ تو تیس ہزار کا لشکر لے کر چلیں گے، جبکہ تمہاری اونٹنی بڑی صحت منداور تیز رفتار ہے، چنانچہ حضور ﷺ کو لشکر لے کر روانہ ہو جانے دو، اس کی حرکت قدرے آہستہ ہوگی، تم ذرا دو چار دن کے بعد تیزی کے ساتھ منزل پر منزل طے کرتے ہوئے حضور ﷺ کے ساتھ مل جانا۔ تو میں اس دھوکے میں آ گیا اور سوچتا رہا کہ شدید گرمیوں کا موسم ہے اور صحرا کا سفر ہے، ذرا گھر میں تھوڑا عرصہ مزید آرام کرلوں اور ٹھنڈی چھاؤں سے لطف اندوز ہولوں۔ (گویا ع ''تپتی راہیں مجھ کو پکاریں، دامن پکڑے چھاؤں گھنیری!'') تو میں اسی طرح ایک ایک دن کر کے ٹالتا رہا۔ ایک دن اچانک مجھے احساس ہوا کہ اب تو چاہے میں کتنی ہی تیز رفتاری سے جاؤں آپؐ کے ساتھ نہیں مل سکتا، بس میرے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ حضور ﷺ نے سزا کے طور پر ان کا سماجی مقاطعہ کر دیا کہ کوئی مسلمان ان سے بات تک نہ کرے۔ یہ ان کے لئے بڑی سخت سزا تھی۔ یہ بخاری شریف کی بڑی پیاری حدیث ہے اور طویل ترین احادیث میں سے ایک ہے۔ ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

تو یہ تاخیر و تعویق اصل میں شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جیسے اقبال نے کہا:

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ "اِنَّ الْمُلُوْکَ"
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری!

تو یہاں پر اب اس تعویق و تاخیر سے ٹوکا گیا ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''کیا اہل ایمان کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کے ذکر میں اور اُس (قرآن) کے آگے جو نازل شدہ حق ہے''۔ یہ ایک طرح سے جھنجھوڑنے کا انداز ہے کہ کس امید پر تم یہ تاخیر و تعویق کر رہے ہو؟ تمہیں کل کی زندگی کا بھی یقین ہے کہ تمہیں کل کا سورج دیکھنا نصیب ہوگا؟ جبکہ تمہارے منصوبے تو طول طویل ہیں اور تم سالوں کا حساب بنا رہے ہو

کہ اس کام سے فارغ ہو جاؤں' یہ ذمہ داریاں ادا کرلوں' یہ معاملہ طے ہو جائے تو پھر میں دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دوں گا۔لیکن قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ: ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''کیا وقت آ نہیں گیا ہے اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے اور اُس کے سامنے جو نازل ہوا حق میں سے''۔خَشَعَ' یَخْشَعُ کا مطلب ہے جھک جانا۔ایک آیہ کریمہ میں میدانِ حشر کا ایک نقشہ یوں کھینچا گیا ہے: ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ ''(قیامت کے دن میدانِ حشر میں) ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت اُن پر چڑھی آ رہی ہوگی''۔یعنی تباہی و بربادی کو اپنے سامنے دیکھ کر شرمندگی سے کافروں کی نگاہیں نیچے زمین میں گڑی ہوں گی اور انہیں نہایت شرمناک سلوک کا سامنا ہوگا۔تو اہل ایمان کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ اب بھی تم تاخیر و تعویق میں پڑے ہوئے ہو؟ کیا وہ وقت آ نہیں گیا ہے کہ تم جھک جاؤ اللہ کی یاد کے آگے اور اس حق کے سامنے جو اللہ کی طرف سے نازل ہو چکا ہے۔اس حق نے جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا کر دیا ہے' حق و باطل کو ممیز کر دیا ہے' تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں آنا نصیب فرما دیا ہے' اسی حق نے تمہیں کچھ ذمہ داریاں بھی سونپی ہیں' اسی کلامِ الٰہی نے تمہارے فرائض بھی معین کئے ہیں' اس نے تمہیں یہ بتا دیا ہے کہ دین تم سے کیا چاہتا ہے' دین کا تقاضا کیا ہے۔تمہارے فرائض کیا ہیں۔تو کب تک تم اس تاخیر اور تعویق میں پڑے رہو گے؟

اہل کتاب کا عبرت آموز تذکرہ

آگے فرمایا: ﴿وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور نہ ہو جائیں وہ ان لوگوں کے مانند جن کو کتاب دی گئی تھی پہلے''۔اِن سورتوں (المُسبحات) میں اہل کتاب کا تذکرہ بطورِ نشانِ عبرت ہے کہ مسلمانو! تم سے پہلے بھی ایک اُمت مسلمہ (بنی اسرائیل) تھی' جسے اب معزول کر دیا گیا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قرآن میں جیسے الفاظ سابقہ اُمت مسلمہ کے لئے آئے ہیں ہمارے لئے نہیں

آئے۔ اُن سے فرمایا گیا تھا: ﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت عطا کی''۔ ذرا ان الفاظ کی گھمبیرتا کا تصور کیجئے! ٹھیک ہے ہمیں بھی دو مرتبہ خیر اُمت اور اُمت وسط کہا گیا ہے' لیکن ان کے لئے فضیلت اور برتری کے جو الفاظ آئے ہیں وہ ہمارے لئے نہیں آئے۔ ان میں تو چودہ سو برس تک نبوت کا تار ٹوٹا ہی نہیں۔ ان میں سلسلۂ نبوت و رسالت شروع بھی ہوا تو دو نبیوں حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے اور پھر چودہ سو برس کے بعد اس سلسلۂ انبیاء کا خاتمہ ہوا تو بھی دو نبیوں حضرات عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام پر۔ ان کو کتابیں بھی تین دی گئیں۔ صحیفے تو بے شمار دیئے گئے' کیونکہ بے شمار نبی مبعوث ہوئے اور ہر ایک پر وحی آتی رہی' اور یہ انہی انبیاء کی کتابیں ہیں جو ''Old Testament'' میں جمع ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ان کے لئے تین کتابوں تورات' زبور اور انجیل کا تذکرہ ہے۔ لیکن وہی قوم اب نشانِ عبرت ہے۔ اسی قوم کے لئے فرما دیا گیا کہ: ﴿ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''ان پر (اللہ کی طرف سے) ذلت اور مسکنت مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب (عذاب) میں گھر گئے''۔ انہی پر اللہ کے عذاب کے کوڑے برسے ہیں۔ انہیں بخت نصر کے ہاتھوں تباہ و برباد کیا گیا۔ پھر کبھی رومیوں کے ہاتھوں ان کی پٹائی ہوئی اور کبھی یونانیوں کے ہاتھوں' یہاں تک کہ پچھلی صدی میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران ہٹلر کے ہاتھوں ان کے ساتھ جو عبرت ناک سلوک ہوا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اس دوران ساٹھ لاکھ یہودی قتل ہوئے ہیں۔ بخت نصر کی بات تو خیر اڑھائی ہزار سال پرانی ہوگئی ہے' لیکن یہ تو ماضی قریب کا واقعہ ہے۔ حالانکہ ان یہودیوں کا یہ قول رہا ہے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ ''ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں''۔ ان کے اس ادّعا پر قرآن کا تبصرہ یہ ہے: ﴿فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ﴾ ''تو وہ تمہیں سزا کیوں دیتا ہے تمہارے گناہوں کی پاداش میں؟'' تم اگر اپنے خیال میں اللہ کے ایسے ہی لاڈلے اور چہیتے ہو تو اللہ تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں عذاب کیوں دیتا رہا ہے؟ اس نے دنیا میں

تمہیں بری طرح پٹوایا ہے تو آخرت میں بھی تم پر عذاب کے کوڑے برسیں گے۔

ان تمام حوالوں سے مسلمانوں کو عبرت دلائی جا رہی ہے کہ دیکھ لو مسلمانو! کہیں تم بھی ان کے مانند نہ ہو جانا! چنانچہ فرمایا جا رہا ہے: ﴿وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ''اور وہ نہ ہو جائیں ان لوگوں کی مانند جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی' تو اُن پر جب ایک مدت مدید گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے''۔

تاخیر و تعویق کا نتیجہ: قساوتِ قلبی

نوٹ کیجئے کہ ایک تو صرف شدتِ تاثر کے لئے قساوت قلبی کا لفظ استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا ایک واقعہ بھی مذکور ہے۔ جب آپؓ کے پاس اہل یمامہ کا ایک وفد آیا اور ان کے سامنے قرآن پڑھا گیا تو ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اس موقع پر خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''هٰكَذَا كُنَّا حَتّٰى قَسَتِ الْقُلُوبُ'' کہ یہی حال کبھی ہمارا بھی ہوتا تھا' یہاں تک کہ ہمارے دل سخت ہو گئے۔ لیکن یہ صرف شدتِ تاثر ہے۔ جیسے حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: ((اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ)) ''بے شک میرے دل پر بھی کبھی کبھی کوئی حجاب سا طاری ہو جاتا ہے''۔ اس سے کہیں آپ لفظی اشتراک کی وجہ سے دھوکہ نہ کھا جائیں کہ ہمارے دلوں کے حجاب اور حضور ﷺ کے دل کے حجاب کی نوعیت کوئی ایک جیسی ہو سکتی ہے۔ (نعوذ باللہ) ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

اسی قساوتِ قلبی کے بارے میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۴ ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

''پھر (ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی) تمہارے دل سخت ہو گئے' پتھروں کی طرح سخت' بلکہ سختی میں ان سے بھی کچھ بڑھے ہوئے' کیونکہ پتھروں میں سے تو

کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں' اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹتا ہے تو اس میں سے پانی نکلتا ہے' اور کوئی خدا کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے۔ اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے''۔

اس آیت کا حوالہ قساوتِ قلوب کے ضمن میں بہت ضروری ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب انسان کا دل سخت ہوتا ہے تو پھر کسی چٹان اور پتھر کی سختی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور یہ تو ہمارے عام مشاہدے کی بات ہے کہ کوئی بھیڑیا بھی ایسی درندگی نہیں کر سکتا جو انسان انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ کوئی درندہ جب بھوکا ہو تو وہ ضرور اپنی درندگی کا مظاہرہ کرتا ہے' لیکن آج انسان قومیت پرستی کے بھوت میں اندھا ہو کر درندگی کا جو مظاہرہ کر رہا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ آج بوسنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے' تقسیمِ ہند کے وقت مشرقی پنجاب میں جو کچھ ہوا تھا' کبھی مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا تھا اسے کون بھلا سکتا ہے! افسوس کہ مسلمانوں کے ہاتھوں بھی یہ ظلم و ستم ہوا ہے۔ کراچی میں مسلمانوں نے مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ستم کی جو داستانیں رقم کی ہیں وہ کوئی درندہ بھی نہیں کر سکتا۔ گھروں میں آگ لگائی گئی ہے اور پھر بچوں کو اٹھا اٹھا کر اُس میں پھینکا گیا ہے۔ تو ایسی قساوتِ قلبی کسی درندے کے اندر بھی نہیں ہوگی۔ انسان جب گرتا ہے تو اسفل سافلین میں ہو جاتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝﴾ ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا' پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا''۔ تو انسان جب گرتا ہے تو پھر نیچوں میں بھی سب سے نیچے چلا جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ اس تاخیر و تعویق کے باعث تمہارے دل سخت ہوتے چلے گئے اور سختی میں پتھروں کے مانند ہو گئے' بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت۔ اس لئے کہ پتھروں میں تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ اور ایسے پتھر بھی ہیں جو شق ہو جاتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے۔ بڑی بڑی چٹانیں اللہ کے خوف سے منہدم ہو جاتی ہیں' اللہ کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ اور تمہارے یہ کرتوت اللہ سے ڈھکے چھپے ہرگز نہیں ہیں۔ درحقیقت یہ قساوتِ قلبی اور فسق و فجور اسی تعویق و تاخیر کا نتیجہ ہے۔

اس آیت میں یہودیوں کی طرف صرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اُس وقت یہود کی سیرت وکردار اوران کے تمام معاملات مسلمانوں کے سامنے تھے اس لئے ان کی طرف صرف اشارہ کردینا کافی تھا

اُمید کی روشن کرن

اس ترہیب اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اب اگلی آیت میں تشویق وترغیب اور حوصلہ افزائی کا انداز ہے۔ کسی بھی قسم کی تربیت وتعلیم کے لئے یہ دونوں چیزیں لازم ہیں۔ یعنی ڈانٹ ڈپٹ' زجر وتنبیہ اور تہدید بھی ضروری ہے' لیکن پھر ساتھ ہی تھپکی بھی دی جانی چاہئے' حوصلہ بھی بڑھایا جانا چاہئے کہ گھبراؤ نہیں' اگر واقعتاً تمہیں محسوس ہو جائے کہ دل سخت ہو گئے ہیں' دلوں کے اندر ایمان کے بجائے ویرانی ہے' ہم کسی مغالطے میں ہیں کہ ہم مؤمن ہیں' تو یہ احساس بھی بہت قیمتی ہے' اس کو بھی بڑی مضبوطی کے ساتھ تھامو! کہیں یہ لمحہ بھی نہ جاتا رہے۔ اپنے اندر سے تمہارا نفس یا شیطانِ لعین تمہیں کوئی تھپکی دے کر سلا نہ دے۔ لہٰذا فرمایا: ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ''جان لو! اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیتا ہے''۔ تمہارے دلوں کی زمین اگر ویران ہوگئی ہے' اگر تم محسوس کرتے ہو کہ نورِ ایمان سے خانۂ دل خالی ہو گیا ہے تو بھی گھبراؤ نہیں' مایوس نہ ہو۔ ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا''۔ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ بے آب وگیاہ زمین پر' جہاں زندگی کے آثار نہ ہوں' ویرانی ہی ویرانی ہو' بارش برستی ہے تو وہیں پر سبزہ اگ آتا ہے۔ ع ''مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موجزن ساقی۔''(۱)

(۱) جگر مراد آبادی نے جب پینے پلانے سے توبہ کر لی تھی تو انہوں نے ایک ساقی نامہ کہا تھا۔ اس میں ایک شعر ہے:۔

رگوں میں بھی کبھی صہبا ہی صہبا رقص کرتی تھی
مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موجزن ساقی!

یعنی کبھی ہماری رگوں کے اندر شراب گردش کرتی تھی' مگر اب زندگی گردش کر رہی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ جہاں ہر طرف ویرانہ ہی ویرانہ ہو اور موت کا سماں ہو تو کوئی پرندہ بھی وہاں نہیں جاتا۔ وہ کاہے کو وہاں جا کر چہچہائے؟ کون ہے اس کی آواز سننے والا؟ لیکن جب اسی جگہ پر بارش برستی ہے تو ہریالی ہی ہریالی ہوتی ہے۔ اب پرندے بھی وہاں ڈیرے ڈال لیتے ہیں' حشرات الارض بھی رینگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ ساری حیات کہاں سے آ گئی؟ تو اگر اللہ تعالیٰ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے تو پھر تمہارے لئے بھی مایوس ہونے کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے مُردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ تمہارے دلوں کی مُردہ زمین کو بھی حیاتِ تازہ عطا کر دے گا اور ایمان کے نور سے منور کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان کی لہلہاتی ہوئی فصل تمہاری اسی کشتِ قلوب کے اندر پیدا ہو جائے گی۔ آگے اس کے لئے راہنمائی بھی کی جا رہی ہے کہ: ﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞﴾ ''ہم نے (اپنی) آیات تمہارے لئے واضح کر دی ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو''۔ تا کہ تم اس سے سبق حاصل کرو۔ مایوس ہونے کی بات نہیں ہے' تم اپنی اصلاح کے لئے کمر ہمت کس لو۔

سلوکِ قرآنی کی پہلی منزل

اب اگلی آیت سلوکِ قرآنی سے متعلق ہے۔ یعنی جب دلی کیفیت کا ادراک ہو جائے اور آدمی اپنے باطن میں جھانک کر محسوس کرے کہ دل نورِ ایمان سے خالی ہے تو بھی مایوس نہ ہو' اسی زمین میں ایمان کی فصل لہلہا سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے ہل چلانا ضروری ہے۔ وہ ہل کون سا ہے؟ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۞﴾ ''یقیناً صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں' اور جو قرض دیں اللہ کو قرضِ حسنہ' اُن کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لئے بڑا باعزت اجر ہے''۔ ہم اسی سورۃ میں وہ آیت بھی پڑھ چکے ہیں کہ: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرضِ حسنہ؟'' سورۃ التغابن میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی: ﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۞﴾ ''اگر

تم اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور اللہ بڑا قدردان اور بردبار ہے''۔

اس آیت کا ایک تو فلسفہ سمجھ لینا چاہئے۔ دیکھئے دنیا کی محبت دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک علائق دُنیوی کی محبت اور ایک مال و اسبابِ دُنیوی کی محبت۔ ان دونوں کو یکجا کریں گے تو دنیا کی محبت میں سب سے زیادہ علامتی حیثیت جس چیز کو حاصل ہے وہ مال کی محبت ہے۔ اس لئے کہ مال سے ہی دنیا ہے۔ مال سے دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت اور بڑی سے بڑی آسائش حاصل کی جاسکتی ہے۔ تو اصل میں مال کی محبت ہے جو قربِ الٰہی کے راستے کی رکاوٹ بنتی ہے اور یہ گویا بریک کا کام کرتی ہے۔ جب تک یہ بریک نہ کھلے گاڑی نہیں چلتی' چاہے آپ ایکسیلیٹر دباتے رہیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ''تم نیکی تک ہرگز رسائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ خرچ نہ کر دو وہ چیز جو تمہیں محبوب ہے''۔ یعنی وہ چیز نہیں جو دل سے اُتر چکی ہو' بلکہ محبوب شے اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔ عربی زبان میں ''لَنْ'' کے ساتھ جو نفی آتی ہے اِس سے زیادہ تاکید ممکن نہیں ہے۔ تو فرمایا جا رہا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ ''تم ہرگز رسائی حاصل نہیں کر سکتے نیکی تک''۔ یعنی بخل اور نیکی ساتھ ساتھ ہوں' یہ ناممکن ہے۔ آپ زاہد ہو جائیں گے' عابد ہو جائیں گے' لیکن جب تک بخل کا بریک لگا ہوا ہے آپ نیک نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے نزدیک نیکی اور شے ہے۔ اسی طرح آپ محدث ہو سکتے ہیں' مفتی ہو سکتے ہیں' مفسر ہو سکتے ہیں' بڑے عالم ہو سکتے ہیں' لیکن نیک نہیں ہو سکتے اگر یہ بریک لگی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ دل سے مال کی محبت کو نکالنا ہوگا۔ یہ سلوکِ قرآنی کی شرطِ اوّل ہے' یہ پل تو چلانا ہی پڑے گا۔

اسی کی درحقیقت وضاحت ہے جو سورۃ البلد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے شکوے کے انداز میں گلہ کر رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو کیا کیا نعمتیں دیں! ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۞ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۞ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۞﴾ ''کیا ہم نے اسے (انسان کو)

دو آنکھیں' اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور (نیکی اور بدی کے) دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیئے؟'' آگے فرمایا: ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۞﴾ ''پس یہ گھاٹی کو عبور نہیں کر سکا''۔ ہم نے اسے کیسی کیسی نعمتیں دی ہیں' مگر یہ کم ہمت' تھڑدلا دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ تو یہ ایک طرح کی گھاٹی ہے جسے میں بریک کہہ رہا ہوں۔ اس گھاٹی سے نکل جائیں گے تو آگے راستہ کھلا ہے' لیکن گھاٹی اوکھی ہے۔ پنجابی شاعر عبداللہ شاکر کے بقول ع ''اوکھی گھاٹی مشکل پینڈا عشق دیاں اسواراں دا!'' تو اس اوکھی گھاٹی کو عبور کرنا مشکل ہے۔ آگے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ۞﴾ ''اور تم کیا جانو کہ وہ گھاٹی کیا ہے''۔ ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ ۞﴾ ''کسی (غلام کی) گردن کو غلامی سے آزاد کرا دینا ہے''۔ ﴿اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۞ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۞ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۞﴾ ''یا کھانا کھلانا کسی قرابت دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو (جو مٹی میں مل رہا ہے) فاقے کے دن''۔ یعنی قحط کے دن کسی یتیم یا فاقہ کش مسکین کو کھانا کھلانا جب اپنے بھی لالے پڑ رہے ہوں۔ اگر اپنے گودام اناج سے بھرے ہوئے ہیں تب آپ نے لنگر کھول دیا تو یہ اور بات ہے' لیکن جب اپنے بھی لالے پڑے ہوئے ہوں تب کسی بھوکے کو کھانا کھلانا' یہ ہے دراصل مشکل گھاٹی۔ اس گھاٹی کو اگر عبور کر لیا تو کامیابی ہے۔ یہ بہت اہم مقام ہے اور بہت کم لوگوں نے اس کا گہرائی میں جا کر مطالعہ کیا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۞﴾ ''پھر (اس کے بعد یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا پر) رحم کی تلقین کی''۔ یعنی اس گھاٹی میں سے گزر کر جو ایمان لایا ہے دراصل وہ ہے کہ جس کے لئے آگے راستے کھلے پڑے ہیں۔ دیکھئے ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جو اِس حال میں ایمان لائے ہیں کہ وہ مال کی محبت سے پہلے سے بری ہیں۔ جبکہ ایک شخص وہ ہے جو دل میں مال کی محبت لئے ہوئے ایمان لایا ہے۔ لہٰذا جب تک وہ اپنے دل کو مال کی محبت سے' جو کہ نجاست ہے' پاک نہیں کرے گا تو سوائے نفاق کے

اس کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

''انفاق فی سبیل اللہ'' اور ''صدقات'' میں فرق کی نوعیت!

ہمارے اس سلسلۂ درس میں اب تک ایک تو ''انفاق فی سبیل اللہ'' کی اصطلاح آئی ہے: ﴿وَمَا لَكُمْ اَنْ لَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔ دوسری اصطلاح آئی ہے اللہ کو قرضِ حسنہ دینا۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور ﴿وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ جبکہ اب ایک اصطلاح ''صدقات'' کی آئی ہے۔ صدقہ کس کو کہتے ہیں؟ ہم عام طور پر جو صدقے کا لفظ استعمال کرتے ہیں وہ کسی اچھے معنوں میں نہیں ہوتا۔ جبکہ صدقہ اصل میں صدق سے بنا ہے۔ دراصل یہ انسانیت کی صداقت کا ثبوت ہے کہ آپ کسی انسان کو بھوکا دیکھیں تو اسے کھانے میں شریک کریں' اسے کسی تکلیف میں دیکھیں تو اگر آپ اس کی تکلیف کا ازالہ کر سکتے ہوں تو اُدھر متوجہ ہو جائیں اور اس کی تکلیف رفع کریں۔ اگر کسی میں یہ رأفت اور رحمت نہیں ہے تو وہ پھر حقیقی انسان ہی نہیں ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ يُّحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ)) ''جو شخص دل کی نرمی سے محروم ہو گیا وہ گویا کل کے کل خیر سے محروم ہے''۔ اس کے پاس خیر کہاں سے آئے گا! کسی کٹھور دل اور سنگدل انسان کے پاس خیر آ ہی نہیں سکتا۔ چاہے کوئی شخص اپنے اوپر تقویٰ اور دینداری کے لاکھ لبادے اوڑھ لے' مسجدوں کو قالین بھی فراہم کر دے اور بڑے بڑے چندے بھی دے' لیکن جب تک وہ دل کی نرمی سے محروم ہے وہ کُل کے کُل خیر سے محروم ہے۔

لہٰذا اب مال خرچ کرنے کی دو اقسام سامنے آئی ہیں جنہیں الگ الگ شناخت کرنا ضروری ہے۔ ایک ہے ابنائے نوع کی دادرسی میں اور ان کی تکلیف دور کرنے میں مال خرچ کرنا۔ یعنی فقراء' مساکین' بیواؤں' یتیموں اور مقروضوں وغیرہ کے لئے مال خرچ کرنا۔ یہ ''صدقہ'' ہے۔ زکوٰۃ کا بڑا مصرف بھی یہی ہے۔ اگرچہ زکوٰۃ کے مصارف میں ''فی سبیل اللہ'' بھی ہے لیکن وہ آٹھ مدات میں سے ایک ہے۔ اسی لئے زکوٰۃ کے

مصارف پر سورۃ التوبۃ میں جو آیت آئی ہے اس میں لفظ ''زکوٰۃ'' آیا ہی نہیں' ''صدقات'' آیا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ..... الخ﴾ تو صدقہ اور زکوٰۃ کو ایک طرف کر لیجئے۔ جبکہ ایک ہے اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے' اللہ کے پیغام کو عام کرنے کے لئے' اللہ کے دین کی جدوجہد کے لئے ساز و سامان فراہم کرنے کے لئے مال خرچ کرنا۔ یہ ہے ''انفاق فی سبیل اللہ'' اور یہی ہے اللہ کے لئے قرضِ حسنہ۔ اس لئے کہ یہ تو اللہ کا ذاتی معاملہ ہے۔ سورۃ الحدید ہی میں آگے جا کر یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ﴾ ''اور تا کہ اللہ جان لے (ظاہر کر دے) کہ کون ہے جو مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں رہتے ہوئے''۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو اللہ اپنا مددگار قرار دیتا ہے جو اُس کی حکومت قائم کرنے کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہو جاتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے' ہندوستان میں شیعیت کب آئی ہے! ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے پورے تین سو برس بعد تک شیعیت کا نام و نشان نہیں تھا۔ یہ خالص سنی مسلمان ملک تھا۔ لیکن جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دی اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا تو اب وہ ایران گیا اور وہاں شہنشاہ طہماسپ سے فوج لے کر آیا۔ یہ جو قزلباش کہلاتے ہیں یہ اس وقت ایران سے آئے تھے اور ان کے ساتھ ہی شیعیت آئی ہے۔ اب ظاہر بات ہے وہ تو ہمایوں کے مددگار اور محسن تھے جنہوں نے اسے دوبارہ تخت دہلی لے کر دیا' جنہوں نے حکومت ہند اسے دوبارہ دلوائی تو ان سے بڑا محسن کون ہوگا! یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد سے مغلیہ دربار پر اہل تشیع کو غلبہ حاصل ہوا اور ہندوستان کے اندر شیعیت پھیلتی چلی گئی۔ اب آپ اسی کے اوپر قیاس کیجئے! اس وقت دنیا میں اللہ کی حکومت کے خلاف بغاوت ہے۔ اگر آپ اللہ کے وفادار بن کر دنیا میں اس کی حکومت قائم کرنے کے لئے اپنا تن' من' دھن لگا رہے ہیں تو آپ لازماً اللہ کے مددگار ہوئے۔ اس سورۂ مبارکہ کی مرکزی اور عظیم ترین آیت انہی الفاظ پر ختم ہو رہی ہے: ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ﴾ ''اللہ دیکھنا چاہتا ہے کون ہیں

(اس کے وفادار بندے) جو غیب میں ہونے کے باوجود اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں''۔ سورۃ الصّف کی آخری آیت کا مضمون بھی یہی ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو! جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون میرا مددگار ہے اللہ کی طرف؟'' تو اللہ کے راستے میں جان و مال کھپانے والے اللہ کے بھی مددگار ہیں اور رسول کے بھی مددگار ہیں۔

خرچ کی ان دو مدوں کی علیحدہ علیحدہ شناخت کرنا ضروری ہے۔ ایک ہے غرباء، مساکین، یتیموں، بیوائیوں، مقروضوں، غلاموں اور دیگر محتاجوں کی مدد کے لئے ان کی احتیاج اور تکلیف کو دور کرنے کے لئے خرچ کرنا۔ یہ ہے صدقہ اور خیرات اور ایک ہے انفاق فی سبیل اللہ یا اللہ کو قرضِ حسنہ دینا۔ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا: ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ﴾ ''یقیناً صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔'' ﴿وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسنہ دیا ہے''۔ اب یہاں پر ''وَالَّذِیْنَ'' محذوف ماننا پڑے گا کہ ''وَالَّذِیْنَ اَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا''۔ اس لئے کہ اسم پر فعل کا عطف براہ راست نہیں آتا۔ ''اور وہ لوگ کہ جو اللہ کو قرضِ حسنہ دیں''۔ یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اقامت دین کے لئے غلبۂ دین حق کے لئے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے نظامِ خلافت کو برپا کرنے کے لئے۔ آگے فرمایا: ﴿یُضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۞﴾ ''ان کے لئے دوگنا کیا جائے گا (اجر) اور ان کے لئے بڑا باعزت اجر ہے''۔ اللہ کو قرض حسنہ دینے کا مطالبہ اس سورۃ میں پہلے بھی بایں الفاظ آیا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۞﴾ (آیت ۱۱) اور سورۃ التغابن میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ ۞﴾ (آیت ۱۷) کم و بیش وہی الفاظ یہاں ہیں کہ ﴿یُضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۞﴾ کہ ان کے لئے اجر میں بڑھوتری ہوتی رہے گی اضافہ ہوتا رہے گا اور

اضافی طور پر جو اجر کریم دیا جائے گا وہ اس پر مستزاد ہے۔ تمہارا اصل مال تو تمہیں بہت بڑھا ہوا ملے گا ہی' مزید اللہ کی طرف سے بہت باعزت بدلہ' بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ملے گا۔

اللھم وفقنا لھذا ۔ اللھم طھر قلوبنا من النفاق واعمالنا من الریاء والسنتنا من الکذب واعیننا من الخیانۃ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور ..... آمین یارب العٰلمین oo

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ
مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس

(2) عربی گرامر کورس (I`II`III) (3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

درس حدیث

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اعمال کے تین دفتر

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :((اَلدَّوَاوِیْنُ ثَلَاثَۃٌ ' دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ' یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ' وَدِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُھُمْ مِنْ بَعْضٍ' وَدِیْوَانٌ لَّا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ اللّٰہِ ' فَذَاکَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَآءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ)) (رواہ البیھقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نامۂ اعمال تین طرح پر ہیں' ایک نامۂ عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا' اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ دوسرا اعمال نامہ جس کو اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا' وہ ہے بندوں کا آپس میں ظلم کرنا' یہاں تک کہ ایک دوسرے سے بدلہ لے۔ تیسرا اعمال نامہ جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرے گا' وہ ہے بندوں کا اپنے اور خدا کے درمیان ظلم کرنا' یہ اللہ کی طرف سپرد ہے' اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اُس سے درگزر کرے''۔

اس حدیث میں اعمال کے تین دفاتر کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا دفتر تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس گناہ کو ہرگز نہ بخشے گا' کیونکہ اس نے خود قرآن مجید میں کھول کھول کر بیان کر دیا کہ مشرک کو بخشا نہیں جائے گا۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود قرآن مجید کے الفاظ کا حوالہ دیا کہ: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

يُشْرِكُ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ ''یہ سورۃ النساء کی آیت ۴۸ ہے جس کا ترجمہ اس طرح ہے ''اللہ اِس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے گا' اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت بڑا جھوٹ گھڑا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔'' ۔ اسی سورت کی آیت ۱۱۶ میں دوبارہ یہی الفاظ آئے ہیں' البتہ ﴿فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ کی بجائے ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ کے الفاظ ہیں۔ یعنی ''وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا'' ۔ ان دونوں آیات میں شرک کو نا قابلِ بخشش گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدۃ کی آیت ۷۲ میں فرمایا گیا کہ ''تحقیق جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا اس شخص پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے'' ۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس گناہ کی سنگینی واضح کر دی کہ لوگ اس سے بچتے رہیں۔

ایک تو وہ مشرک ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں یا اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود مانتے ہیں۔ دوسرے وہ مشرک ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے کچھ دوسری ہستیوں کو بھی اختیار دے رکھا ہے اور وہ لوگوں کو نفع نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی لامحدود صفات میں سے کچھ مخلوق میں مانتے ہیں یا مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو بھی محدود گردانتے ہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ خود مسلمان طرح طرح کے مشرکانہ افعال کا ارتکاب کرنے کے باوجود خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ توحید و رسالت کا اقرار کرنے والے اللہ کے علاوہ دوسروں کو عالم الغیب' نفع ونقصان کا مالک' حاجت روا' ہر جگہ حاضر و ناظر اور مشکل کشا مان رہے ہیں' قبروں پر سجدہ اور طرح طرح کی خرافات میں مبتلا ہیں' دوسروں کے نام کی قربانی اور نذر و نیاز دیتے ہیں یا پھر فوت شدہ بزرگوں سے حاجت طلبی کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ان کی حاجت پوری کروا دیں گے۔ کیا یہ سب کچھ شرک نہیں؟ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی دعا سنتا ہے۔ جس طرح وہ ہر اچھے برے کا خالق و رازق ہے اسی طرح وہ سب کی دعاؤں کا سننے والا (سمیع الدعاء)

بھی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارے کام کرنے والے کلمہ گو ہیں' حضور ﷺ کے اُمتی ہیں' توحید و رسالت' آخرت اور معاد پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ مشرک کیسے ہو سکتے ہیں؟ تو جان لیجئے کہ شیطان اپنے فرض سے غافل نہیں ہے' اس کی ہمہ وقت یہ کوشش ہے کہ ایمان والوں کو سارے نیک کام نماز' روزہ وغیرہ کرنے دے لیکن ان سے مشرکانہ افعال سرزد کرا دے تاکہ ان کے نیک اعمال بیکار ہو جائیں' کیونکہ شرک کا گناہ سارے اعمال کو اکارت کر دیتا ہے۔ سورۃ الانعام میں جلیل القدر انبیاء و رُسل کا ذکر کرنے کے بعد آیت ۸۹ میں فرمایا:

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے''۔

سورۃ الزمر میں سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آیت ۶۵)

''(اے نبیؐ!) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے''۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو پیشگی خبردار کر دیا ہے کہ تمہارے لئے نیک اعمال ہی کافی نہیں بلکہ شرک سے بچنا بھی ضروری ہے' کیونکہ شیطان مؤمنوں کو بھی شرک کے ارتکاب پر اکسائے گا اور ان سے شرکیہ افعال صادر کروائے گا۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (آیت ۱۰۶)

''ان میں سے اکثر ایمان والے ایسے ہیں کہ ساتھ ہی ساتھ وہ مشرک بھی ہیں''۔

شرک کی اس سنگینی کے پیش نظر اس سے بچنا مسلمان کے لئے از حد ضروری ہے' بلکہ جہاں شرک کا شبہ بھی ہو وہاں سے کوسوں دور بھاگنا چاہئے' جیسا کہ کوئی شخص بھی

زہر نہیں کھاتا کیونکہ وہ موت کا باعث ہے' بلکہ اگر کسی چیز میں زہر کا شبہ بھی ہو جائے تو اس کو ہرگز استعمال نہیں کرتا کہ کہیں یہ چیز اُس کی موت کا سبب نہ بن جائے۔ یہ تو دنیا کی زندگی ہے۔ شرک تو وہ زہر ہے جس سے نہ ختم ہونے والی ہمیشہ ہمیش کی زندگی آگ کے عذاب کی نذر ہو جائے گی۔ پس شرکیہ عقائد و اعمال سے بچنا اور ان سے نفرت کرنا از حد ضروری ہے۔

اس حدیث میں اعمال کا دوسرا دفتر وہ ہے جس میں لوگوں کے وہ اعمال ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ بندوں نے دوسروں کے جو حقوق تلف کئے ہوں گے اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ حقوق غصب کرنے والوں سے حق داروں کو اُن کا حق دلوایا جائے گا۔ وہاں درہم و دینار تو ہوں گے نہیں' لہٰذا غاصب کی نیکیاں حق دار کو دلوا کر راضی کیا جائے گا۔ آج جو شخص کسی کی چوری کرتا ہے وہ خوش ہے کہ وہ مال چرانے میں کامیاب ہو گیا' صاحبِ خانہ کی نظروں سے بچ نکلا' پھر پولیس بھی اسے پکڑ نہیں سکی اور وہ مزے مزے سے دوسرے کا مال ہڑپ کر رہا ہے۔ ادھر جس کا مال چوری ہوا ہے وہ اپنے نقصان پر رنجیدہ ہے۔ جزا کے دن چور سے چوری شدہ مال کا تقاضا کیا جائے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ فلاں شخص کی چوری کس نے کی ہے) اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر چور مال کہاں سے لا کر دے گا؟ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بدلہ اس طرح دلوایا جائے گا کہ جس کا مال چوری ہوا اس کو چور کی نیکیاں دلوا کر راضی کیا جائے گا اور اگر چور کے پاس بدلے کے طور پر دینے کے لئے نیکیاں نہ ہوں گی تو جس کا مال چرایا گیا ہے اس کے گناہ چور کے اوپر ڈال کر عدل و انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے گا۔ اب چور تو خسارے میں رہا اور جس کا مال چوری ہوا تھا وہ خوش ہو گیا۔ اور یہ اسلام کی تعلیم ہے کہ دنیا دھوکے کا سودا ہے۔ یہاں کا کامیاب حقیقت میں کامیاب نہیں اور یہاں کا ناکام حقیقت میں ناکام نہیں۔ حقیقی کامیاب تو وہ ہے جو آخرت میں کامیاب رہا' پس آخرت میں کامیابی اسی کی ہے جو شرک سے بچتا رہا' بلکہ جہاں شرک کا شبہ ہوا وہاں سے بھی دور بھاگا اور شرک کی مہک اور گرد سے بھی اپنے

آپ کو محفوظ رکھا' نیز حقوق العباد کے سلسلہ میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کیا' نہ تو کسی کو مالی نقصان پہنچایا اور نہ ہی زبان اور ہاتھ سے کسی کو اذیت دی۔ کیونکہ حقوق العباد کی تلفی تو شہید کے لئے بھی جنت میں جانے کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گی' جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو' اور اُس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہِ خدا میں شہید ہو' اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اُس وقت تک نہ جا سکے گا جب تک اُس کا قرض ادا نہ ہو جائے''۔ (رواہ احمد)

حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہمارے ہاں بہت بری رسم جاری ہے کہ بعض لوگ جائیداد میں سے بیٹیوں کو حصہ نہیں دیتے' حالانکہ ماں باپ کی وراثت میں سے بیٹی بھی حق دار ہے اور یہ اللہ کا حکم ہے' اس کو ٹالا نہیں جا سکتا نہ ہلکا سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر بیٹی کو وراثت سے حصہ نہ دیا تو اب فیصلے کے دن اس کا حق دینا پڑے گا۔ اسی طرح لوگ اپنی اولاد میں سے بعض سے ناراض ہوتے ہیں تو ان کو جائیداد سے محروم کرنے کا اعلان کر کے اخبارات میں ''عاق نامہ'' شائع کروا دیتے ہیں' حالانکہ کسی باپ کو یہ قطعاً اختیار نہیں کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو حق وراثت سے محروم کر سکے۔ ہاں صرف ایک صورت ہے کہ جب کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو اب وہ شرعاً اس کی وراثت کا حق دار نہیں رہتا۔ یوں حدیث کے دوسرے حصہ میں حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت واضح کر دی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جس کا حق ادا نہ کیا گیا وہ فیصلے کے دن دلوایا جائے گا' جو انتہائی خسارے کا معاملہ ہوگا۔ لہٰذا یہاں جس جس کا حق تلف کیا ہو اُس کی ادائیگی کر دینی چاہئے یا اسے راضی کر کے اس کو بخشوا لینا چاہئے۔

حدیث میں اعمال کے تیسرے دفتر کا ذکر ہے جو حقوق اللہ پر مشتمل ہے۔ حقوق اللہ مراسمِ عبودیت' نماز' روزہ' قربانی' طواف وغیرہ ہیں' جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں کوتاہی پر اللہ چاہے گا تو گرفت کرے گا اور عذاب دے گا اور چاہے گا تو

بخش دے گا اور عفو و درگزر سے کام لے گا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی بھی بہت ضروری ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ادائیگی کی بہت تاکید کی ہے۔ اور کسی حق پرست کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالے اور اس کی نافرمانی پر کمربستہ رہے' بلکہ راہِ صواب یہ ہے کہ عبادت پورے ذوق وشوق کے ساتھ کرے اور اس سلسلہ میں ہونے والی کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے اور امید رکھے کہ وہ کمیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔ ویسے بھی اپنے خالق' مالک' رازق' نفع ونقصان کے مالک اور بخشش کا اختیارِ مطلق رکھنے والی ہستی کے حکم کو ٹالنا کسی طور پر جائز نہیں۔ ہاں حقوق اللہ کی عدم ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازمی گرفت اور عذاب کی وعید نہیں بلکہ وہ چاہے گا تو اس گناہ پر عذاب دے گا اور چاہے گا تو بخش دے گا۔ ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ کے الفاظ قرآن مجید میں کئی دفعہ دہرائے گئے ہیں۔

ہمارے اس معاشرے میں نماز روزے کو ہی اصل دین سمجھ لیا گیا ہے' جبکہ معاملات اور عقائد میں چھان بین اور احتیاط کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند لوگ ہی نیک اور پارسا سمجھے جاتے ہیں اور اکثر لوگ نماز روزے کی ادائیگی کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقوق العباد میں بے احتیاطی اور شرکیہ افعال یقینی طور پر حقیقی خسارے اور نقصان کا باعث ہیں' جبکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی پر تو پھر بھی بخشش کا امکان موجود ہے۔ oo

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مذہب، فلسفے اور سائنس کے تطابق کی روشنی میں

زندگی کا ظہور وارتقاء

تحریر: سید قاسم محمود

''حکمت قرآن'' کے شمارہ ستمبر ۲۰۰۳ء میں ''زندگی کے اصل وارتقاء'' پر ایک مضمون جناب ساجد محمود مسلم کا تحریر کردہ نظر نواز ہوا تھا۔ اس کے تسلسل میں دسمبر کے شمارے میں جناب اے ایچ کمالی کا مضمون' بہ زبان انگریزی ''آدمی کے اصل وارتقاء'' پر چھپا۔ دونوں مضامین چشم کشا اور معلومات افروز تھے۔ مدیر محترم نے ''حکمت قرآن'' کے پڑھنے والوں کو بھی ان موضوعات پر قلم اٹھانے کی دعوت دی تو راقم السطور کو بھی خامہ فرسائی کی جسارت ہوئی ہے۔ پہلے ''زندگی کے ظہور وارتقاء'' کے موضوع پر اپنے خیالات تو کیا' ہاں جدید معلومات جو جدید سائنسی دریافتوں سے اب تک انسان کے علم میں آئے ہیں' پیش کروں گا۔ اس کے بعد اگر مدیر محترم اجازت (بلکہ حکم!) دیں گے تو ''آدمی کے اصل وارتقاء'' پر بھی اپنی گزارشات حوالۂ قلم کروں گا۔

زندگی کیا ہے؟

پہلا سوال ہی بڑا مشکل ہے کہ زندگی کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی اصلیت بھی اُن چند رازوں میں سے ایک ہے جو صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام قانونِ فطرت یعنی زوجین کے ملاپ کے بغیر کیسے وجود میں آئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا دیدار کیسے کرایا گیا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے کیسے پیدا ہوئے؟ آنحضور ﷺ کو معراج کیونکر حاصل ہوا؟ زندگی بھی ایسے ہی رازہائے سربستہ میں سے ایک ہے' جن کی جستجو میں انسان کئی ہزار سال سے لگا ہوا ہے' لیکن ابھی تک صحیح معنی

میں ان کا سرا ہاتھ نہیں آیا۔

انسان صرف اپنی عقل کی روشنی میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے اور قیاسات کے گھوڑے دوڑاتا رہتا ہے۔ عقل راہ دکھاتی ہے کہ زندہ چیزوں کا بے جان چیزوں سے موازنہ کر کے فرق معلوم کیا جائے تو زندگی کی حقیقت کے بارے میں کچھ نہ کچھ اندازہ ہوسکتا ہے اور مسئلے کی تفہیم میں سہولت پیدا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اب تک جاندار اور بے جان چیزوں کے موازنے سے زندگی کے جو خواص سامنے آئے ہیں' وہ یہ ہیں:

(۱) کیمیاوی ترکیب: جاندار اور بے جان چیزوں میں بنیادی فرق ان کی کیمیاوی ترکیب اور خلوی نظام کا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ تمام کیمیائی عناصر جو پروٹو پلازم (بنیادی مادۂ حیات) میں پائے جاتے ہیں' وہ بے جان مادے مثلاً مٹی' چٹان' ہوا' راکھ اور پانی میں بھی موجود ہیں' اور یہاں بھی اُن کا عمل اور ردِّعمل بالکل پروٹو پلازم کی طرح ہے۔ دنیا میں اب تک کوئی ایسا کیمیائی عنصر دریافت نہیں ہوا ہے جو محض زندگی اور فقط زندہ چیزوں سے مخصوص ہو۔ زندگی کا راز اس مواد میں مضمر نہیں جس سے پروٹو پلازم مرکب ہے' بلکہ کسی چیز میں مختلف عناصر کی ایک خاص ترکیب و ترتیب کا نام زندگی ہے۔ بقول چکبست لکھنوی ؎

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشان ہونا

ٹوٹی ہوئی گھڑی کے اندر تمام اجزاء اور پرزے بالکل وہی ہوتے ہیں جو چالو گھڑی میں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ پرزے کام نہیں کر رہے' لیکن دوسری صورت میں یہی پرزے کسی خاص گھڑی ساز کے ہاتھوں ایک خاص ترتیب پا کر کام کرنے لگتے ہیں۔ تو گویا فرق صرف ایک خاص ترتیب کا ہے' ورنہ دونوں صورتوں میں مواد ایک ہی ہے۔

(۲) نشوونما: نباتات اور حیوانات دونوں نشوونما پا کر بتدریج سائز میں بڑھتے رہتے ہیں۔ نشوونما استحالے (Metabolism) کا قدرتی نتیجہ ہے۔ استحالہ برابر

زندہ چیزوں کے جسم میں اندر ہی اندر ہوتا رہتا ہے۔ استحالے سے وہ عمل مراد ہے جس کے مطابق غذا ہضم ہونے کے بعد جزوِ بدن ہوتی ہے اور جزوِ بدن ہونے کے بعد اس بے مثال اور منفرد چیز میں بدل جاتی ہے جسے پروٹوپلازم کہتے ہیں جو اپنی کیمیائی ترکیب وساخت میں پیچیدہ ترین شے ہے۔ گویا استحالہ وہ عمل ہے جس میں سادہ چیزیں پیچیدہ چیزوں کا روپ دھارتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ ''کرسٹل'' بے جان ہونے کے باوجود نشوونما پاتی ہے' لیکن کرسٹل کی نشوونما اس کے اپنے اندرونی مواد کی وجہ سے ہوتی ہے' لیکن زندہ چیزوں میں نشوونما کا باعث باہر کا مواد (غذا) ہوتا ہے۔

(۳) انجذاب: انجذاب وانہضام نشوونما کی بنیادی ضرورت ہے۔ جاندار چیزوں میں باہر کے مادے (غذا) کو جذب کرنے' ہضم کرنے اور ہضم کرنے کے بعد اسے نئی صورت میں بدلنے کی پیدائشی اور قدرتی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً آدمی اپنی غذا ہضم کرنے کے بعد اسے خون' ہڈی' عضلات اور بالوں وغیرہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پودے کاربن ڈائی آکسائڈ اور پانی سے شکر چوس سکتے ہیں' پھر اس شکر کو پروٹین کے زندہ مادے میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

(۴) افزائش نسل: زندہ چیزیں اپنی تعداد بڑھانے کی قدرتی صلاحیت رکھتی ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی زندہ چیز (امیبا) بھی مناسب وموزوں حالات کی موجودگی میں بڑی تیزی کے ساتھ اپنی تعداد بڑھاتی ہے۔ واضح ہو کہ مزید پیدائش وافزائش اپنی ہی نوع میں ہو سکتی ہے۔ آدمی کتے نہیں بن سکتے' آدمی ہی بن سکتے ہیں۔ کتوں کی اولاد کتے ہی ہوں گے' بلیاں نہیں ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نر کے نطفے اور مادہ کے انڈے کے ملاپ سے جو جنین پیدا ہوتا ہے' اس میں نر اور مادے کی نوعی خصوصیات در آتی ہیں۔

(۵) نقل وحرکت: بے جان چیزیں اپنی مرضی سے حرکت نہیں کر سکتیں' جبکہ زندہ چیزیں اپنی مرضی سے حرکت کر سکتی ہیں۔ زندگی اتنی تیزی سے بھی حرکت کر سکتی ہے کہ پرندوں سے آگے نکل جائے اور اتنی آہستگی سے بھی چل سکتی ہے کہ شلجم پوری

طرح سکڑ جائے اور زندگی کا ابھی ایک قدم بھی نہ اٹھا ہو۔ ضروری نہیں کہ زندگی مسلسل حرکت کی حالت میں رہے۔ بعض بیج مدتوں بے حس و حرکت پڑے رہتے ہیں اور پھر ایک دن یکا یک حرکت کر کے اُگ جاتے ہیں۔ زندہ چیزوں میں حرکت کی اصلی قوت خود ان کے اندر سے پیدا ہوتی ہے' لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حرکت کرتی ہو وہ لازماً زندہ ہو۔ موٹر' ریل' ہوائی جہاز وغیرہ حرکت کرتے ہیں' لیکن یہ زندہ نہیں ہیں۔ زندہ چیزوں میں حرکت خارجی بھی ہوتی ہے اور داخلی بھی۔ ان کے اندرونی نظام میں برابر کیمیائی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب خون ہمارے جسم میں گردش کرتا ہے اور خون پھیپھڑوں میں موجود ہوا سے جا ملتا ہے تو بالکل مختلف قسم کی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

(۶) عقل و شعور: بے جان چیزوں میں احساس اور ادراک کی صلاحیت نہیں ہوتی' لیکن جاندار چیزوں میں اپنے اردگرد کے ماحول کی چیزوں کو محسوس کرنے اور سمجھنے کی زبردست قابلیت موجود ہوتی ہے۔ روشنی اور حرارت' گرمی اور سردی' نرمی اور سختی' تناؤ اور پھیلاؤ' چھوٹائی اور بڑائی اور دوسرے تمام طبعی و کیمیاوی عناصر اور ان کے جملہ خواص کو محسوس کرنے کی قابلیت زندہ چیزوں میں ایسی ہے کہ محض اس قابلیت کی بنا پر جاندار چیزوں کو بے جان چیزوں سے منفرد و ممیّز کیا ہے۔

پروٹو پلازم (Protoplasm)

زندہ چیزوں کے بڑے بڑے خواص کا علم ہونے کے باوجود یہ سوال جوں کا توں رہا کہ زندگی کیا ہے؟ عام اصطلاح میں زندگی روح اور جسم کے مرکب کا نام ہے۔ گویا زندگی کے دو بنیادی لوازم ہیں' روح اور جسم۔ روح کا مطالعہ مذہب اور فلسفے کے تحت کیا جاتا ہے' البتہ جسم کی حقیقت براہِ راست سائنس کے مطالعے کا مرکز ہے' اور بہت سے حقائق سائنسی تحقیقات و انکشافات کے نتیجے میں انسان کے علم میں آ چکے ہیں۔ جسم کی وہ بنیادی مادی صورت جو روح کے ساتھ مل کر زندگی پیدا کرتی ہے' پروٹو پلازم یا حیاتیہ کہلاتی ہے۔ یہ زندگی کا سرمایہ یا مادۂ اولیٰ یا جوہر ہے۔ یہ انتہائی پیچیدہ مادہ ہے جو

بے رنگ اور گاڑھے' نیم رقیق قوام کا ہے' جسے زندگی کی طبعی اساس سمجھا جاتا ہے۔ اس میں از خود حرکت اور باز پیدائش کی قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ یہ تمام نباتاتی اور حیوانی خلیوں اور بافتوں کا بنیادی مادۂ حیات ہے۔

ماہر حیاتیات پروفیسر ہنری ہکسلے (۱۸۲۵۔۱۸۹۵ء) پروٹو پلازم کو بجا طور پر ''زندگی کی طبعی اساس'' قرار دیتے ہیں۔ ان تمام چیزوں میں' جن میں زندگی پائی جاتی ہے' پروٹو پلازم موجود ہوتا ہے۔ طبعی اور کیمیائی اعتبار سے یہ پیچیدہ ترین اور ہر دم متغیر شے ہے۔ اس کی دریافت کے بعد سے زندگی کو طبعی اور کیمیائی حوالوں سے بھی (کسی حد تک) بیان کرنا ممکن ہو گیا ہے۔

دریافت سے لے کر اب تک پروٹو پلازم کی کیمیائی ترکیب کے بارے میں اگرچہ بے شمار منظم تحقیقات کی گئی ہیں' لیکن ابھی تک اس کی مکمل کیمیائی ترکیب و ساخت کا علم نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیمیائی تجزیے کا کوئی بھی گر اور طریقہ اختیار کیا جائے' پروٹو پلازم ختم ہو جاتا ہے۔ ایک طرف جہاں پروٹو پلازم پیچیدہ مرکب ہے' وہاں یہ ہر لحہ کیمیائی تغیر کی حالت میں رہتا ہے۔ حیاتیات اور کیمیا نے مل جل کر پروٹو پلازم کے اجزائے ترکیبی مثلاً پروٹین' کاربوہائیڈریٹ' روغنیات' لعاب' نمکیات اور پانی معلوم کر لئے ہیں' لیکن پروٹو پلازم صرف ان اجزاء کا مرکب نہیں ہے۔ نباتات اور حیوانات کے پروٹو پلازم کی کیمیائی ترکیب ایک جیسی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے دو نمونے ایک جیسے نہیں ہیں۔ حیوانات کے پروٹو پلازم میں لعاب (Lipoids) اور نباتات کے پروٹو پلازم میں پانی اور کاربوہائیڈریٹ دوسرے اجزاء کے مقابلے میں زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

آیت الکرسی کی تشریح

زندگی کی کیمیائی ساخت کے چند خواص اور اجزائے ترکیبی کے مختصر ذکر کے بعد ہم پھر اس سوال کے سامنے کھڑے ہیں کہ ''زندگی کیا ہے؟'' ہماری موجودہ زندگی کا یہ مرکزی سوال جوں جوں ذہن میں گونجتا ہے' قرآن کی متعدد آیات اور بالخصوص سورۃ

البقرہ کی عظیم الشان آیت ۲۵۵ ہمارے وجود میں حلول کر جاتی ہے' جسے مسلم دنیا آیت الکرسی کے نام سے جانتی ہے:

﴿اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۞﴾

آیت الکرسی کا اردو ترجمہ (از مولانا مودودی صاحب) یہ ہے:

''اللہ' وہ زندہ جاوید ہستی' جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے' اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے اور نہ اُسے اونگھ آتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے' اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے' اسے بھی وہ جانتا ہے' اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے' اس سے بھی وہ واقف ہے' اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت اور ادراک میں نہیں آ سکتی' اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے' اور ان کی نگہبانی اُس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے''۔

یہ آیت الکرسی ہے جس میں حق تعالیٰ کے لئے سب سے پہلی صفت' اور معبودِ حقیقی کے اوصافِ کمال میں سے جو اوّلین کمال بیان کیا گیا ہے' وہ ہے ''زندگی''۔ وہ واحد ہستی' وہ معبودِ حقیقی جو ہماری بندگی اور عبادت کے لائق ہے' وہ ''حیّ'' ہے' یعنی زندہ' اتنا زندہ کہ وہ سوتا ہے نہ اُسے اونگھ آتی ہے۔ وہ انسان کے من گھڑت معبودوں مثلاً سورج' چاند' آگ وغیرہ کی طرح جامد اور مردہ نہیں ہے۔

وہ علیم ہے' ایسا علیم کہ جو کچھ ہم انسانوں کے سامنے ہے' اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ہم سے اوجھل ہے' اس سے بھی وہ واقف ہے' اور اس کی معلومات میں سے کوئی

چیز ہمارے ادراک کی گرفت میں نہیں آ سکتی' سوائے اس کے کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ہمیں دینا چاہے۔

اُس زندہ و علیم ہستی نے ہمیں اتنا علم نہیں دیا کہ جان سکیں کہ زندگی کیا ہے؟ ابھی تو ہم صرف اتنا جان سکے ہیں کہ زندگی ایک ناشناختہ حقیقت ہے' اور دیگر بہت سے ناشناختہ حقائق کی طرح ماضی سے حال تک دانشوروں کے لئے نامعلوم رہی ہے' ابھی تک وہ اس کے راز سے ناواقف ہیں اور کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ (خالق حیات) چند بے جان طبعی حقائق' کیمیائی عناصر اور معدنی نمکیات کو ایک مخصوص وزن اور خاص حساب و تناسب کے مطابق اس دنیا کے قدرتی خزینوں میں سے لے لیتا ہے اور پھر قانونِ حیات کے مطابق انہیں زندہ موجودات میں تبدیل کر کے انہیں زندگی کی حرکت عطا کر دیتا ہے اور انہیں قسم قسم کے افعال و وظائف انجام دینے کی صلاحیت دے دیتا ہے۔ دانشوروں' مفکروں' فلسفیوں' علمائے دین اور سائنس دانوں کی طرح شاعر بھی عاجز آ کر صرف یہ کہہ پاتے ہیں ؎

اک معمہ ہے' سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے' خواب ہے دیوانے کا!

زندگی آسمانوں پر

کیا زمین پوری کائنات میں واحد جگہ ہے جہاں زندگی پائی جاتی ہے؟

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہاں زندگی کا واحد مسکن کرۂ ارض ہے۔

لیکن قرآن مجید کہتا ہے کہ نہیں' زندگی دوسرے سیاروں پر بھی ہے۔ جدید فلکیات نے وحیٔ الٰہی کی شہادتیں فراہم کر دی ہیں کہ دوسرے سیاروں پر بھی زندہ مخلوقات موجود ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۸۳ میں آیا ہے:

﴿..... وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ۝﴾

''اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے' جو آسمانوں اور زمین میں ہے' خوشی

سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

سورۃ الرعد کی آیت ۱۵ میں ہے:

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز' جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے' بعض خوشی سے اور بعض مجبوری سے اور ان کے سائے بھی سجدہ ریز ہیں صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔''

سورۃ النحل کی آیت ۴۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے' یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے سب سجدہ کرتے ہیں اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔''

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۹ میں بڑا واضح اور غیر مبہم اشارہ کر دیا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ﴾

'''اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور آسمانوں کی پیدائش' اور یہ زندہ مخلوقات جو اُس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں' وہ جب چاہے انہیں اکٹھا کر سکتا ہے''۔

اس آیت میں لفظ ''دابہ'' سے مراد زندہ اور حرکت کرنے والے مادّی اجسام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی وضاحت اور قطعیت سے بتا دیا ہے کہ زندہ اور جاندار مخلوقات زمین میں اور آسمانوں میں بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ کھلا اشارہ ہے اس طرف کہ زندگی صرف زمین ہی پر نہیں پائی جاتی' بلکہ دوسرے سیاروں پر بھی جاندار مخلوقات موجود ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

''آسمان کے ان ستاروں میں اسی طرح شہر آباد ہیں جس طرح کرۂ زمین میں ہیں''۔

حضرت جعفر صادقؒ کا قول ہے:

''تمہارے اس پُر جوش سورج کے علاوہ چالیس سورج اور بھی موجود ہیں کہ ان کے نظامِ شمسی میں کثیر مخلوق آباد ہے۔ اسی طرح تمہارے اس چاند کے علاوہ چالیس چاند اور بھی موجود ہیں اور ان کے کرہ جات میں بھی کثیر مخلوق موجود ہے اور وہ مخلوق اس امر کی خبر نہیں رکھتے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے کرۂ زمین میں انسان کی تخلیق فرمائی ہے یا نہیں' بالکل اس طرح جس طرح کہ اب تک انسان کو کائنات کے دوسرے حصوں میں آباد مخلوقات کا علم نہیں''۔

وحیٔ الٰہی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں میں نہ فقط زندہ موجودات پائی جاتی ہیں' بلکہ وہاں عاقل' ذہین اور مہذب مخلوق بھی موجود ہے۔ وہ مخلوق (خلائی) اپنی زندگی کے لئے عاقلانہ انداز سے شہر بناتے ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی کی بنیاد تہذیب وتمدن اور شہر نشینی پر رکھی ہوئی ہے۔ ایسی خلائی مخلوق کی باقاعدہ' منظم و مربوط اور سائنسی تلاش اُسی دن سے جاری ہے جس دن انسان چاند پر اترا تھا۔ مسلسل تلاش کے دوران میں بعض شواہد ایسے ملے ہیں جن کی بنیاد پر سائنس دانوں کو پختہ یقین ہو گیا ہے کہ زمین کے علاوہ کائنات کے کسی اور حصے میں بھی ذہین مخلوق موجود ہے۔ سائنس دانوں کو اتنا زیادہ یقین کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہمیں کائنات' آسمانوں' سیاروں' اور زندگی کے بارے میں اب تک جتنا بھی علم حاصل ہوا ہے' اس کی بنا پر یہ ''یقین'' پیدا ہوا ہے (جو ہمارے عقیدے سے بھی ہم آہنگ ہے)۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ زندگی کے بنیادی اجزائے ترکیبی (کاربنی مرکبات) کائنات میں عام پائے جاتے ہیں۔ یہ مرکبات صرف شمسی سیاروں ہی پر نہیں' بلکہ دم دار ستاروں اور خلاء میں تیرتے ہوئے نووا اور بڑے بڑے بادلوں میں بھی آزادانہ دوڑتے پھرتے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

سائنس دانوں نے خلائی مخلوق کی تلاش میں آسمانوں پر ایسے پیغامات بھی بھیجے ہیں جو بالآخر نظامِ شمسی سے باہر جا کر خلائی مخلوق کو بتائیں گے کہ ہم نظامِ شمسی کے کس گوشے میں آباد ہیں۔ خلائی جہاز پائیز ۱۰ اور پائیز ۱۱ میں ایک تختی رکھ دی گئی تھی' جس پر یہ اشتہاری عبارت درج ہے کہ انسان نظامِ شمسی میں صرف سیارہ زمین پر آباد ہے۔

خلائی جہاز وائجر اوّل اور وائجر دوم میں ایک ویڈیو ریکارڈ رکھا گیا تھا' جس میں زمین کی باتصویر آوازوں کے ذریعے غیر ارضی ذہین مخلوق (ESP) کو بے شمار زبانوں میں خوش آمدید کہا گیا تھا۔

بعض سائنس دانوں نے خبردار کیا ہے کہ ہمیں دوسری تہذیبوں سے رابطہ قائم نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ان سے رابطہ قائم کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں تو وہ ہماری تہذیب کو اس طرح ہڑپ کر لیں گے جس طرح یورپی تہذیب کی یلغار نے جنوبی امریکہ کی تہذیب کو ہضم کر لیا ہے۔ لیکن ان کی یہ تنبیہہ بعد از وقت ہے۔ ہم گزشتہ ۷۰ سال سے غیر ارادی طور پر زمین پر اپنی موجودگی کا اشتہار متواتر نشر کر رہے ہیں۔ پہلے ریڈیو کے ذریعے' پھر ٹیلی ویژن کے ذریعے۔ ریڈیائی امواج بیرونی خلاء کی طرف روشنی سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے بھیجی جا رہی ہیں۔ اب تک کسی ایسے ستارے کے سیارے تک ہماری موجودگی کا اشتہار پہنچ چکا ہوگا جو سورج سے ساٹھ نوری سال کے فاصلے پر ہے' اس لئے امید کی جا سکتی ہے کہ ہمارے لئے بھی وہاں سے کوئی پیغام روانہ ہو چکا ہوگا اور دو چار نسلوں کے بعد کسی وقت بھی ہم تک پہنچ جائے گا۔ یہ پیغام ایک الٹی میٹم بھی ہو سکتا ہے' یہ پیغام ایک محبت نامہ بھی ہو سکتا ہے۔

ایک بات طے ہے کہ زندگی ستاروں میں قائم نہیں رہ سکتی' البتہ ان کے سیاروں میں قائم رہ سکتی ہے۔ ستارے اور سدائم اس قدر گرم ہوتے ہیں کہ وہاں زندگی کے موزوں حالات پیدا ہونے کا ذرا بھی امکان نہیں۔ سیارہ اپنے ستارے سے رشتہ توڑنے کے لاکھوں سال بعد یا تو اتنا زیادہ گرم اور مرطوب ہو جاتا ہے کہ وہاں زندگی کے آثار کا کوئی امکان نہیں رہتا یا جب ستارہ (ہماری صورت میں سورج) جو سیارے کو حرارت بخشتا ہے' ٹھنڈا ہونا شروع ہوتا ہے تو سیارہ اتنا زیادہ ٹھنڈا اور خشک ہو جاتا ہے کہ اس صورت میں بھی زندگی کا ظہور ممکن نہیں رہتا۔ دراصل زندگی کے موزوں حالات سیارے پر بھی ایک خاص مدت کے لئے برقرار رہتے ہیں۔ ایک خاص مدت کے بعد جب زندگی کے حالات کی موزونیت میں فرق پڑ جاتا ہے تو پھر نیستی اور قیامت

آ جاتی ہے اور زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے (زمین پر بھی ایک ایسی ہی قیامت پچیس کروڑ سال پہلے آ چکی ہے)

زندگی کے ظہور کے لئے لازمی ہے کہ سیارہ غیر تاب کار مادے کی ٹھوس پپڑی سے تشکیل پذیر ہوا ہو۔ یہ ٹھوس پپڑی دراصل اس مادے کی راکھ اور جلے ہوئے کھنگر ہوتے ہیں جو پہلے تاب کار تھے۔ گویا اس سیارے کو جس پر زندگی ممکن ہو' مندرجہ ذیل شرائط پوری کرنی پڑیں گی:

۱) وہ سیارہ اپنے اصل ستارے سے (جس سے وہ روشنی اور حرارت حاصل کرتا ہے) رشتہ توڑنے کے بعد کافی عرصہ قائم رہ سکتا ہو۔

۲) اصل ستارہ اتنا زیادہ بوڑھا' پرانا اور خستہ نہ ہو کہ روشنی اور حرارت نہ دے سکتا ہو۔

۳) وہ سیارہ اپنے ستارے سے بہت زیادہ فاصلے پر نہ ہو۔

اب تک حاصل شدہ علم کے مطابق' یہ خاص الخاص' کمیاب و نادر حالات صرف سیارہ زمین ہی پر بہت تھوڑی مدت (صرف ایک ارب یا شاید پچاس ساٹھ کروڑ سال) کے لئے ہیں۔ امکانات پائے جاتے ہیں کہ یہ حالات جو زندگی کے ظہور و بقا کے لئے ضروری ہیں' مریخ' زہرہ یا کسی اور سیارے پر بھی موجود ہوں' لیکن ابھی تک سائنس یہ بات عملاً ثابت نہیں کر سکی۔ ان سیاروں پر زندگی کی تحقیقات کے لئے خلائی سیارے بھیجے جا رہے ہیں۔ دسمبر ۲۰۰۳ء میں بھی امریکہ نے مریخ پر ایک خلائی سیارہ ''سپرٹ'' بھیجا ہے' جو مریخ کی سطح پر اتر چکا ہے۔ گویا اب تک کی محدود معلومات کے مطابق زندگی صرف ہماری زمین پر موجود ہے۔ زندگی زمین کی سطح سے پانچ میل اوپر اور تین میل نیچے گہرائی تک برقرار رہے۔ ان حدود سے باہر جانے والوں کو زندگی کے مصنوعی آثار پیدا کرنے پڑتے ہیں۔ یہ مصنوعی آثار بھی ایک خاص حد تک پہنچنے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر زندگی کا ظہور کیسے ہوا؟ سب سے پہلا جاندار کس طرح پیدا ہوا؟ اگر ہر جانور یا پودا اپنے پہلے سے موجود کسی جانور یا پودے سے

پیدا ہوا تو اوّلین جانور یا پودا کیسے پیدا ہوا؟ یہ مسئلہ انسان کے لئے ہمیشہ ہی پیچیدہ رہا ہے اور غالباً ہمیشہ پیچیدہ رہے گا۔ یہ خالصتاً ایک مذہبی' فکری اور فلسفیانہ موضوع ہے جسے سائنس دانوں نے بھی تجربات و مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ زمین پر زندگی کے ظہور کے بارے میں چار مختلف نظریات عام طور پر بیان کئے جاتے ہیں' جن کی وضاحت آئندہ شمارے میں پیش کی جائے گی۔

قرآن کی عظمت

اور اس کی بنیادی تعلیمات

ابوظہبی پروگرام-1985

مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

(بانی تنظیم اسلامی)

اب VCDs میں دستیاب ہیں

عنوانات

- عظمت قرآن
- راہ نجات
- حقیقت ایمان
- عمل صالح
- تواصی بالحق
- تواصی باصبر
- حقیقت نفاق
- حقیقت واقسام شرک
- اقامت دین

کل سی ڈیز : 21

قیمت فی سیٹ : -/840روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون 03-5869501

www.tanzeem.org e-mail: info@tanzeem.org

اقبال اور وحدت الوجود

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم

مقالہ پیش کرنے سے قبل پروفیسر موصوف نے حسب ذیل خیالات کا اظہار فرمایا:

حضرات! میں اپنی تقریر شروع کرنے سے پہلے ایک ایسی ضروری بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں جسے میں مسلمانانِ پاکستان کی ملی اور قومی زندگی کے لئے حیات اور موت کا مسئلہ سمجھتا ہوں، جس پر عمل کرنے سے یہ ملک بھی قائم رہ سکتا ہے اور مسلمان بھی دنیا میں دوبارہ سربلند ہو سکتے ہیں۔

۱) حضرات! مذہب بالعموم اور دین اسلام بالخصوص اپنی ظاہری حیثیت کے لحاظ سے تو احکامِ شرع پر عمل کرنے کا نام ہے، لیکن اپنی باطنی حیثیت یا اپنی ماہیت کے اعتبار سے وہ زندہ خدا کے ساتھ ایک زندہ رابطہ پیدا کرنے کا نام ہے۔

زندہ خدا سے میری مراد وہ خدا ہے جو ہماری پکار کا جواب دے، اور زندہ رابطہ سے میری مراد یہ ہے کہ اس رابطے کی بدولت ہماری باطنی زندگی میں ایک عمیق انقلاب پیدا ہو جائے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نوید جاوید عطا کی ہے کہ:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

اسی لئے اقبال نے یہ خوشخبری سنائی ہے:

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر

۲) تو یہ رابطہ پیدا کیسے ہو؟ اس کا جواب اقبال سے سنئے!

مقامِ شوق جز صدق و یقیں نیست — یقیں جز صحبت روح الامیں نیست
گر از صدق و یقیں داری نصیبے — قدم بیباک نہ، کس در کمیں نیست

یہاں صحبت روح الامیں سے قرآن مراد ہے، یعنی تدبر فی القرآن۔

۳) معلوم ہوا کہ اگر ہم اللہ سے رابطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو ہماری کوشش سے living contact یعنی رابطہ فعال بن سکتا ہے تو ہمیں قرآن کو اپنی زندگی کا محور بنانا ہوگا اور اس کے ساتھ living contact قائم کرنا ہوگا۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میں نے بچپن سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ہند میں کوئی تحریک نہیں دیکھی جو قرآن سے رابطہ کے لئے چلائی گئی ہو۔

۱۹۲۲ء میں میرے استاد مولانا آزاد سبحانی مرحوم نے پریڈ گراؤنڈ کانپور میں ایک تاریخی تقریر کی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ شدھی کی تحریک کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو قرآن پاک سے living contact پیدا کرنا چاہئے اور علماء قرآن کو درسِ نظامی میں داخل کریں۔ تاریخ گواہ ہے کہ علماء نے ابھی تک پورے قرآن کو نصاب میں داخل نہیں کیا۔ بطورِ تبرک دورۂ حدیث کے بعد اڑھائی پارے بیضاوی کی مدد سے بعجلتِ تمام پڑھا دیئے جاتے ہیں۔ یعنی قرآن عوام تو کیا خواص کی زندگی میں بھی داخل نہیں ہے:

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی!

میں نے اپنی زندگی میں بہت سے عاشق رسول دیکھے، بہت سے عاشق حدیث، بہت سے عاشق فقہ اور بہت سے عاشق ادبِ عربی دیکھے، مگر ۱۹۱۲ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک کسی عاشق قرآن کو نہیں دیکھا تھا۔ الحمدللہ کہ زندگی کے آخری دَور میں ایک عاشق قرآن کو دیکھ لیا۔ میری مراد ڈاکٹر اسرار احمد سلمہ ربہ سے ہے۔

حکیم اسپنوزا کو زندگی میں تو یورپ نے کافر اور ملحد قرار دیا مگر مرنے کے بعد یورپ نے اسے ''God-intoxicated'' کا لقب دیا۔ میں نے اسپنوزا کو نہیں دیکھا مگر اسرار احمد کو دیکھا ہے، وہ میری رائے میں ''Quran-intoxicated'' مسلمان ہیں، جس کا ثبوت یہ ''انجمن خدام القرآن'' ہے۔

میں ڈاکٹر صاحب کی اس بات کو اپنی دلی تائید کے ساتھ اس وقت آپ کے گوش

گزار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ حضرات انجمن کے نصب العین اور طریق کار سے مطمئن ہیں تو انجمن کے ساتھ تعاون کیجئے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ اور اگر اختلاف ہے تو آپ خود ایک انجمن بنائیے اور لوگوں کو قرآن کی طرف بلائیے۔ ڈاکٹر صاحب کا مقصدِ حیات دعوت الی القرآن ہے نہ کہ حصولِ دولت وشہرت و وجاہت و تمکنت فی الارض۔ وہ تاجر نہیں ہیں' پروانۂ قرآن ہیں' اس لئے وہ کسی کے رقیب نہیں ہیں۔ رقابت تو تاجروں میں ہوتی ہے' پروانوں میں نہ ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے ع

محبت چوں تمام افتد رقابت از میاں خیزد!

ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ساری قوم قرآن پر عاشق ہو جائے۔ قرآن نقش حق ہے' دیدارِ حق ہے' اور وہ اس نقش اور دیدارِ حق کو دیدارِ عام بنانا چاہتے ہیں۔ اس کی صورت اقبال نے یہ بتائی ہے:۔

نقش حق اوّل بجاں انداختن　　بعد او را در جہاں انداختن
نقش حق چوں در جہاں گردد تمام　　می شود دیدارِ حق دیدارِ عام!

لہٰذا میں سامعین کو عاجزانہ طور پر مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ قرآن کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ ان کی زندگی میں وہی انقلاب پیدا ہو جائے گا جو عربوں کی زندگی میں پیدا ہو گیا تھا۔ ہم بدل گئے ہیں مگر قرآن تو وہی ہے۔ اللہ بلاشبہ جہاں تھا وہیں ہے۔ مسلم سے یہ پوچھو وہ وہیں ہے کہ جہاں تھا؟

صد جہاں باقی ست در قرآں ہنوز　　اندر آیاتش یکے خود را بسوز

پس ضرورت تدبر فی القرآن ہے اور انجمن خدام القرآن کا واحد مقصد اسی حقیقتِ کبریٰ کو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کرنا ہے۔ فللّٰہ الحمد اولاً و آخراً

اب میں اپنا مقالہ پیش کرتا ہوں۔ اس مقالے کا مقصد اُس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہے جو اقبال کے اکثر عقیدت مندوں کے دماغ میں جاگزیں ہو گئی ہے۔ یعنی یہ کہ اقبال وحدۃ الوجود کے خلاف تھے۔ یہ غلط فہمی بلاوجہ نہیں ہے' اس کے دو سبب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ یہ حضرات وحدۃ الوجود اور حلول میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ وحدۃ الوجود (Unity of Existence or Monism) کو حلول (Pantheism) کا مترادف سمجھ لیتے ہیں، یعنی وہ وحدۃ الوجود کا ترجمہ Pantheism کرتے ہیں یا Pantheism کو وحدۃ الوجود کا مترادف سمجھتے ہیں۔ اور جب وہ کسی انگریزی لغت میں Pantheism کا مفہوم تلاش کرتے ہیں تو وہاں انہیں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ Pantheism حلول کو کہتے ہیں۔ اب حلول کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس کائنات میں حل ہو گیا، اس لئے اس کا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہا۔

چونکہ یہ عقیدہ سراسر غیر اسلامی اور خلافِ قرآن ہے اس لئے یہ لوگ ایمان داری سے وحدۃ الوجود کو خلافِ اسلام قرار دے کر اس سے بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں اور اقبال کو اس کا مخالف قرار دے دیتے ہیں۔ اس ساری غلط فہمی کا مبنیٰ صرف یہ ہے کہ یہ لوگ وحدۃ الوجود کو Pantheism کا مترادف سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ دونوں میں وہی فرق ہے جو زمین اور آسمان میں ہے۔ ''All in God and God in All'' میں ساری کائنات خدا بن جاتی ہے مگر خدا کا ذاتی وجود باقی نہیں رہتا۔ اس کی ساری ہستی کائنات میں حل ہو جاتی ہے۔ جس طرح پانی کے گلاس میں شکر ڈال دو سارا پانی شکر بن جائے گا مگر شکر کا کوئی ذاتی یا مستقل وجود باقی نہیں رہے گا۔

اس کے مقابلے میں وحدۃ الوجود (Unity of Existence or Monism) میں کائنات کا وجود غیر حقیقی یا ظلی یا وہمی ہے، صرف خدا کا وجود حقیقی اور اصلی ہے، اور جسے ہم کائنات کہتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے مگر جلوۂ ذاتِ باری ہے۔

ضمناً چند مصطلحات مع مترادفات ذیل میں لکھے دیتا ہوں، جن میں نازک فرق ہے اور عموماً لکھے پڑھے آدمی بھی اس فرق کو نہیں سمجھتے۔

۱) Pantheism، اس کا مترادف حلول ہے۔

۲) Incorporation، اس کا مترادف تجسم یا تجسد ہے۔

۳) Fusion 'اس کا مترادف امتزاج ہے۔

۴) Union 'اس کا مترادف اتحاد ہے۔

۵) Incarnation 'اس کا مترادف انضمام ہے۔

۶) Unity of Existence 'اس کا مترادف وحدۃ الوجود ہے۔

۷) Unity of Appearance 'اس کا مترادف وحدۃ الشہود ہے۔

خلاصہ کلام ایں کہ Pantheism یعنی حلول کا عقیدہ تو بلاشبہ سراسر غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہے۔

غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اسرارِ خودی کے دیباچے میں جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا تھا اور جسے اقبال نے دوسرے ایڈیشن میں خود ہی حذف کر دیا تھا' انہوں نے شیخ اکبرؒ سے اختلاف کیا اور ایک خط میں یہاں تک لکھ دیا کہ:

''جہاں تک میں سمجھا ہوں (شیخ اکبر) ابن عربی کی فصوص الحکم میں الحاد اور زندقہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے''۔

اقبال کے جو عقیدت مند بذاتِ خود وحدۃ الوجود کے خلاف ہیں ان کے لئے اقبال کا یہ جملہ قولِ فیصل بھی ہے اور سند بھی۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ۱۹۲۲ء سے تادمِ وفات وہی اقبال دوبارہ وحدۃ الوجود کی تعلیم دیتے رہے؟ لہٰذا ہر غیر جانب دار مبصر اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ شروع سے ۱۹۱۳ء تک اقبال نے وحدۃ الوجود کی تعلیم دی' ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک انہوں نے اس کی مخالفت کی' لیکن ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۸ء تک تادمِ وفات انہوں نے دوبارہ وحدۃ الوجود کی تعلیم دی۔

اگر کسی کو یہ شبہ لاحق ہو کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اقبال نے اپنی رائے تبدیل کر دی تو اس کا جواب میں وہی دوں گا جو خود اقبال نے مجھے دیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ۱۹۳۵ء میں اقبال نے مرزا غلام احمد اور ان کے مسلک کے خلاف ''اسلام اور احمدیت'' کے عنوان سے ایک زبردست مخالفانہ مضمون لکھا تو احمدیوں نے اس کے جواب میں اقبال پر یہ اعتراض کیا کہ اقبال تو برسوں احمدیت کے مدّا

چکے ہیں۔ جب احمدیوں کا یہ مضمون اقبال نے پڑھوا کر سنا (کیونکہ وہ خود مطالعہ نہیں کر سکتے تھے) تو مجھے جواب لکھنے کی ہدایت کی اور اپنی مدافعت میں جو نکات لکھائے ان میں ایک نکتہ یہ لکھایا کہ بے شک شروع میں مجھے اس تحریک سے حسن ظن تھا' لیکن اب اس کا مسلمانوں کے لئے مضر ہونا مجھ پر واضح ہو گیا ہے اس لئے اب میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں۔ اب رہا خیالات میں تبدیلی پر اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

Only stones do not change.

یہ فقرہ اقبال کا ہے جو مجھے اب تک حفظ یاد ہے کہ صرف پتھر تبدیل نہیں ہوا کرتا' انسان کے خیالات بدلتے رہتے ہیں۔

اسی طرح اقبال نے چند سال وحدۃ الوجود کی مخالفت کی لیکن پھر اُس مخالفت کو ترک کر دیا۔

اقبال نے ۰۴-۱۹۰۳ء میں عبدالکریم الجیلی پر جو مضمون لکھا تھا اس میں انہوں نے یہ فقرہ بھی لکھا تھا:

It will appear at once how greatly the author has emphasized the doctrine of the Logas, a doctrine which has always found favour with almost all the profound thinkers of Islam and in recent times by Mirza Ghulam Ahmad Qadiani, probably the profoundest theologian among modern Indian Mohammadans. (Thought and Reflections of Iqbal).

یہاں اقبال نے اسی مرزا کو ہندی مسلمانوں میں سب سے بڑا عالمِ الٰہیاتِ اسلامی قرار دیا ہے جسے ۱۹۳۵ء میں انہوں نے دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا۔ اسی طرح جس شیخ اکبر (امام ابن عربیؒ) کو انہوں نے ۱۹۱۶ء میں ملحد اور زندیق قرار دیا تھا اسی ''ملحد اور زندیق'' کا ذکر انہوں نے ۱۹۳۳ء میں بایں الفاظ کیا ہے:

"But what if the position, as understood by him (viz rant) is reversed? The Great Muslim Sufi Philosopher Muhyyuddin Ibn-ul-Arabi of Spain has made the acute observation that God is a percept, the world is a

concept." (Reconstruction of Religious Thouht, published by O.U.P,1934- p.172-73)

اس جگہ سامعین وقارئین کی آگاہی کے لئے یہ بتادوں کہ شیخ اکبرؒ کا لقب ''ابن العربی'' نہیں ہے (یہ ایک اور بزرگ ہیں جنہوں نے تفسیر احکام القرآن چار جلدوں میں لکھی ہے۔ان کا پورا نام ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی ہے) بلکہ ''ابنِ عربی'' ہے۔

اسی طرح ۱۹۱۶ء میں انہوں نے شیخ اکبر کی فصوص الحکم کو ''الحاد اور زندقہ'' سے تعبیر کیا تھا' لیکن ۱۹۰۷ء میں انہوں نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے

Development of Metaphysics in Persia

میں انہی شیخ اکبر کا ذکر بایں الفاظ کیا تھا:

The student of Islamic Mysticism who is anxious to see an all embracing exposition of the Principle of Unity must look up the heavy volumes of the Andulusian Ibn-al-Arabi whose profound teaching stands in strange contrast with the Dry-as-dust Islam of his country men.

واضح ہو کہ اس جملے میں Principle of Unity سے ''وحدت الوجود'' مراد ہے اور بقول اقبال ''شیخ اکبر اسی وحدۃ الوجود کے انتھک مفسر تھے''۔

(دیباچہ اسرارِ خودی' ۱۹۱۵ء)

اگرچہ میں نے اپنا مدّعا بھی واضح کر دیا ہے اور دعویٰ بھی ثابت کر دیا ہے کہ:

۱) ۱۸۹۸ء سے ۱۹۱۲ء تک انہوں نے وحدۃ الوجود کی تعلیم دی۔

۲) ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء تک انہوں نے اس نظریے کی مخالفت کی۔

۳) ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۸ء تک (تادمِ وفات) انہوں نے دوبارہ وحدۃ الوجود کی تعلیم دی۔

لیکن میں اپنی تائید کے لئے دو شواہد مزید پیش کرنا چاہتا ہوں۔

شاہد اوّل: جناب عباداللہ فاروقی اپنے مقالے (اقبال ریویو بابت جنوری ۱۹۷۴ء' ص ۵۹) میں لکھتے ہیں:

''اقبال نے ۱۹۱۰ء کے بعد نظریہ وحدۃ الوجود کی بھرپور مخالفت شروع کر دی تھی' لیکن ۱۹۲۲ء کے بعد وہ پھر اسی نظریئے کے حامی نظر آتے ہیں' لیکن ان کا یہ اظہار فلسفے کی حدود کے اندر رہا۔ مذہبی اعتبار سے وہ توحید ہی کے علمبردار رہے۔ فلسفے کی حدود کے اندر اُن کے اور شیخ اکبرؒ کے وجودی تصورات میں خاصی ہم آہنگی اور مماثلت نظر آتی ہے۔ مثلاً شیخ اکبرؒ کے نزدیک وجود' فردِ واحد ہی میں منحصر ہے' یعنی اس زمین سے آسمان تک بجز ذاتِ حق اور کوئی شے موجود نہیں ہے۔ یعنی کائنات معدوم ہے لیکن اللہ کی تجلّیٔ صفات پڑنے سے موجود ہو گئی ہے۔ ذاتِ باری کی جملہ صفات عینِ ذات ہیں۔ اگر ذات و صفات میں عینیت نہ ہوتی تو دوئی لازم آ جاتی جو محال ہے۔ واضح ہو کہ ابن عربی کائنات کو تجلّیٔ صفات یا ظہورِ ذات کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کائنات اپنے ظہور میں عین ذاتِ باری ہے اور علامہ بھی انہی نظریات کے علمبردار اور ترجمان ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے؟ یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی؟

۱۹۱۶ء میں' جیسا کہ گزر چکا ہے' علامہ نے واضح طور پر بتایا تھا کہ مسئلہ وحدۃ الوجود ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ۱۹۳۰ء میں وہ اپنے خطبۂ صدارت الٰہ آباد میں اس نظریۂ وحدۃ الوجود کو مذہبی نقطۂ نظر سے بھی حق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''مذہب اسلام کی رو سے خدا' کائنات' کلیسا' ریاست' مادہ اور روح ایک ہی کل کے مختلف اجزاء ہیں۔''

فاروقی صاحب کی یہ حیرت بالکل بجا ہے' کیونکہ ۱۹۳۰ء میں وہی شخص اس وحدۃ الوجود کی تلقین کر رہا ہے جو ۱۹۱۶ء میں اسے الحاد اور زندقہ کا مترادف قرار دے چکا تھا۔ مگر اقبال کا یہ جملہ اس حیرت کو زائل کر سکتا ہے کہ:

Only stones do not change.

مجھے اس سے بحث نہیں کہ اقبال نے اپنے سابقہ عقیدے سے کیوں رجوع کیا۔ اگر اقبال اس وقت زندہ ہوتے تو میں خود اُن سے دریافت کرتا۔ وہی اس کا صحیح جواب

دے سکتے تھے۔ مجھے قیاس آرائی کی کوئی حاجت نہیں۔ میرے لئے یہ بات کافی ہے کہ انہوں نے چند سال کے بعد وحدۃ الوجود کی مخالفت ترک کر دی تھی اور تادمِ وفات وہ وحدۃ الوجود کی تعلیم دیتے رہے۔

شاھد ثانی: پروفیسر علی عباس جلال پوری نے اپنی تصنیف ''اقبال کا علم کلام'' میں ''اقبال اور نظریۂ وحدۃ الوجود'' پر ایک مستقل باب باندھا ہے جو اِس کتاب کے صفحہ ۷۸ سے لے کر ۱۱۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ پورا باب بڑی تحقیق کے بعد لکھا گیا ہے اور بغور مطالعے کے لائق ہے۔ میں یہ پورا باب لفظ بلفظ تو نقل نہیں کر سکتا' چند اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

''اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں بقول پروفیسر میاں محمد شریف صاحب اقبال صرف نوفلاطونی ہی نہ تھے بلکہ وحدۃ الوجود پر کاملاً یقین رکھتے تھے''۔ (صفحہ ۸۴)

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے — انساں میں وہ سخن ہے غنچے میں وہ چٹک ہے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی — جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے
میں حسن ہوں کہ عشقِ سراپا گداز ہوں — کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں
ہاں آشنائے لب نہ ہو راز کہن کہیں — پھر چھڑ نہ جائے قصہ دار و رسن کہیں

ان اشعار میں اقبال وحدتِ وجود کی پرجوش ترجمانی کرتے ہیں۔

''جب سوامی رام تیرتھ نے ۱۹۰۶ء میں دریائے گنگا میں ڈوب کر خودکشی کر لی تو اقبال نے انہی کے نام سے ایک نظم لکھی تھی جس میں فنا فی اللہ کا وجود اور ویدانتی تصور پیش کیا تھا''۔

''اقبال اُس دور میں وحدت وجود کے قائل تھے اس لئے ابن عربیؒ اور رومیؒ کی طرح خدمت خلق اور ہمدردیٔ انسانی کو حسنِ اخلاق کا جوہر سمجھتے تھے۔ ''نیا شوالہ'' کا ایک شعر جسے اقبال نے بعد میں حذف کر دیا تھا' قابل غور ہے:

اگنی ہے وہ جو نرگن' کہتے ہیں پیت جس کو
دھرموں کے بیکھیڑے اس آگ میں جلا دیں

یہ نظم انہوں نے غالباً ۱۹۰۴-۵ء میں کہی تھی''۔

''بہرکیف یورپ کے دورانِ قیام میں بھی ایک مدت تک اقبال وحدۃ

الوجود کے قائل رہے۔ ان کے استاد میک ٹیگرٹ نے اقبال کو لکھا تھا کہ:
''ایامِ طالب علمی میں تو آپ وحدتِ وجود کے قائل تھے لیکن اب مخالفت کرنے لگے ہیں''۔

''مقام حیرت ہے کہ اقبال نے تمام وجودی صوفیہ اور فلاسفہ کی سخت مخالفت کی لیکن رومی کو' جو وحدت وجود کے ممتاز ترجمان سمجھے جاتے ہیں' نہ صرف مستثنیٰ قرار دیا بلکہ ان کو اپنا پیر و مرشد بھی تسلیم کرلیا''۔

''مولانا روم' مولانا صدر الدین قونوی (شارح شیخ اکبر) کے واسطے سے شیخ اکبر ابن عربی سے مستفید و متاثر ہوئے تھے اور تمام شارحین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رومیؒ وحدتِ وجود کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس کے پُر جوش مبلغ بھی تھے۔ فلاطینوس اور ابن عربی کی طرح ان کی الٰہیات کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ارواحِ انسانی ماخذِ حقیقی سے صادر ہوئی ہیں اور اسی کی طرف بازگشت کے لئے جدوجہد کرنا سعیٔ انسانی کا مقصود ہے''۔

''سوال پیدا ہوگا کہ اقبال نے ابن عربی کی تعلیمات کو الحاد و زندقہ قرار دینے کے بعد اُن کے ایک متبع (رومی) کو اپنا پیر و مرشد کیوں منتخب کیا؟ اقبال کے بعض شارحین نے بھی اس دقت کو محسوس کیا ہے اور دو ایک نے حتی المقدور اس اشکال کو رفع کرنے کی کوشش بھی کی ہے' لیکن اس کوشش میں وہ مولانا روم کی وجودی الٰہیات سے مکمل طور پر قطع نظر کر لیتے ہیں''۔ (ص ۹۳)

''جیسا کہ ہم گزشتہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں' اقبال اپنی شاعری کے پہلے دَور میں جو قیامِ یورپ کے اوائل تک محیط ہے' وحدتِ وجود کے شارح اور نوفلاطونی صوفی تھے۔ جب انہوں نے احیاء و تجدید ملت کا بیڑا اٹھایا تو وہ ہمہ اوست کی مخالفت کرنے لگے۔ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ اقبال مرتے دم تک وحدت وجود اور عقیدہ سریان کے مخالف رہے لیکن یہ سراسر عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال اواخر عمر میں وحدت وجود کی طرف دوبارہ رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ چنانچہ خطبات (Reconstruction) میں انہوں نے واشگاف انداز میں سریان کی حمایت کی ہے۔ اس لئے جہاں تک سریان کا تعلق ہے اقبال اور شیخ اکبرؒ کی الٰہیات میں کسی قسم کا فرق نہیں

ہے''۔ (ص۱۰۰)

''خطبات سے اس امر کا اور ثبوت مل سکتا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں اقبال دوبارہ وحدت وجود کی طرف مائل ہو گئے تھے اور حلاّج اور ابن عربی کی تعلیمات کو بنظر استحسان دیکھنے لگے تھے۔ ایک زمانے میں انہوں نے ابن عربی کی تعلیمات کو کفر اور زندقہ قرار دیا تھا لیکن جب خطباتِ مدراس لکھتے وقت آئنس ٹائن کے نظریۂ اضافیت کے اسلامی ماخذ کی تلاش جاری تھی تو سید سلیمان ندوی کو لکھا ''کیا یہ خیال (کہ دہر اللہ ہی ہے) محی الدین ابن عربیؒ کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے؟'' (ص۱۰۲)

''خطبات میں فرماتے ہیں: ''چنانچہ اسلامی اندلس کے مشہور صوفی فلسفی ابن عربی کا یہ قول کیا خوب ہے کہ وجودِ مدرک تو خدا ہے' کائنات تو معنی و مفہوم ہے.....''

''ان سطور میں انہوں نے کھلے انداز میں ابن عربی کے نظریہ وحدتِ وجود کو درست تسلیم کر لیا ہے۔ عراقی' شیخ اکبر کا شاگرد اور مشہور وجودی شاعر تھا اور اقبال نے خطبات میں متعدد مقامات پر عراقی سے استشہاد کیا ہے۔ اسی طرح شیخ مقبول اور بایزید بسطامی سے صوفیۂ وجودیہ کی تعلیمات سے استدلال کیا ہے..... اقبال نے بایزید بسطامیؒ کے قول سے وحدت وجود کا اثبات کیا ہے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے جاوید نامے میں حلاّج کا هُوَ هُوَ اور ابن عربی کے حقیقة الحقائق کا تصور ''عبدہ'' کے نام سے پیش کیا''۔ (ص۱۰۳)

''اقبال نے ابن عربی کا حقیقتِ محمدیہ کا یہ تصور من وعن عبدہ کے نام سے جاوید نامے میں پیش کیا ہے۔

عبدۂ چند و چگونِ کائنات
عبدۂ رازِ درونِ کائنات!

کس ز سر عبدۂ آگاہ نیست — عبدہ جز سر الا اللہ نیست
لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدۂ — فاش تر خواہی؟ بگو ہو عبدۂ
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت — تا نہ بینی از مقامِ مَـارَمَیْـت

''اقبال نے لوگاس(Logas) کا نظریہ ابن عربی اور منصور حلاج سے اخذ کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔اب وہ کھلم کھلا منصور سے استفادے کی دعوت دینے لگے۔(یہ وہی منصور ہے جسے وہ کسی زمانے میں سزاوارِ قتل یقین کرتے تھے۔)

چنانچہ ارمغانِ حجاز میں لکھتے ہیں:

بجامِ نو کہن مے از سبو ریز فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور بدل لا غالب الا اللہ فرو ریز!

''کسی زمانے میں اقبال صوفیہ کی الٰہیات کو الحاد سمجھتے تھے۔چنانچہ ایک خط میں نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں:تصوف کے ادبیات میں فلسفے کا حصہ محض بیکار ہے اور بعض صورتوں میں تعلیم قرآن کے مخالف ہے۔(ص ۱۱۰)لیکن جب الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیل جدید کے لئے قلم اٹھایا تو وہ صوفیۂ وجودیہ کی الٰہیات سے استفادے پر مجبور ہو گئے۔اور ابن عربی‛عراقی‛منصور حلاج‛شیخ مقتول اور یزید بسطامیؒ جیسے مشاہیر صوفیہ وجودیہ سے بلا تکلف استفادہ کرنے لگے۔

ان حقائق وشواہد سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ اقبال کے فکر ونظر کا آغاز بھی وحدت الوجود اور سریان سے ہوا تھا اور انجام بھی وحدۃ الوجود اور سریان ہی پر ہوا''۔(ص ۱۱۰‛۱۱۱ کتاب مذکور)

خلاصۂ کلام ایں کہ:

اقبال نے ۱۸۹۸ء سے ۱۳۔۱۹۱۲ء تک وحدۃ الوجود کی تعلیم دی‛۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء تک انہوں نے اس عقیدے سے اختلاف کیا‛۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۸ تک انہوں نے پھر اس عقیدے کی تعلیم دی۔ذیل میں ان کی تصانیف سے شواہد پیش کرتا ہوں:

۱)رموزِ بے خودی(۱۸۔۱۹۱۷ء)میں لکھتے ہیں:

برسر ایں باطلِ حق پیرہن تیغِ لا موجود الّا ہو بزن

۲)پیامِ مشرق(۱۹۲۳ء)میں لکھتے ہیں:

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی کہ او پیداست تو زیرِ نقابی
تلاشِ او کنی‛ جز خود نہ بینی تلاشِ خود کنی جز او نیابی

اس رباعی میں اقبال نے وحدۃ الوجود کی تعلیم اس شد و مد سے دی ہے کہ وحدۃ الوجود کا بڑے سے بڑا مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس رباعی میں اقبال نے بلاشک وشبہ وحدۃ الوجود کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ جب میں نے ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مرحوم، سابق سفیر مصر سے ۱۹۵۳ء میں یہ دریافت کیا کہ آپ نے ''پیامِ مشرق'' کے عربی ترجمے میں اقبال کی اس اہم رباعی (مذکورہ بالا) کا عربی میں ترجمہ کیوں نہیں کیا؟ تو انہوں نے صاف لفظوں میں یہ جواب دیا کہ:

''میں وحدۃ الوجود کا مخالف ہوں۔ اقبال نے اس رباعی میں وحدۃ الوجود کی تعلیم دی ہے اس لئے میں نے عمداً اس کا ترجمہ نہیں کیا''۔

میرا جی تو چاہتا تھا میں ان سے کہوں: مگر یہ بات ایک مترجم کے شایانِ شان تو نہیں کہ وہ اس بات کو حذف کر دے جو اُس کے ذاتی عقیدے کے خلاف ہو، یہ تو ایک قسم کی بددیانتی ہے۔ مگر میں مصلحتاً خاموش ہو گیا۔

۳) زبورِ عجم (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) میں لکھتے ہیں:

بضمیرت آرمیدم تو بجوشِ خود نمائی　　بکنارہ برفگندی دُرِ آبدارِ خود را
مہ و انجم از تو دارد گلہ ہا شنیدہ باشی　　کہ بخاکِ تیرۂ ما زدہ؟ شرارِ خود را
نہ مارا در فراقِ او عیارے　　نہ او را بے وصال ما قرارے
نہ او بے مانہ ما بے او چہ حال ست　　فراقِ ما فراق اندر وصال ست
نہ من را می شناسم من نہ او را
ولے دانم کہ من اندر برِ او ست

۴) جاوید نامہ میں وحدۃ الوجود کی تعلیم بایں الفاظ دی ہے:

عبدۂ از فہم تو بالاتر ست　　زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر ست
عبدۂ صورت گر تقدیر ہا　　اندر و ویرانہ ہا تعمیر ہا
لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدۂ　　فاش تر خواہی؟ بگو ہو عبدۂ

۵) بال جبریل میں اسی حقیقت کو یوں واضح کیا ہے:

یہ ہے خلاصۂ علم قلندری کہ حیات خدنگ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں!
وہی اصل مکان و لا مکاں ہے مکاں کیا شے ہے؟ اندازِ بیاں ہے!
خضر کیونکر بتائے' کیا بتائے؟ اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے!

۶) مسافر میں اس نقش کو یوں ہویدا کیا ہے:

از ضمیر کائنات آگاہ اوست تیغ لا موجود الا اللہ اوست

۷) ضربِ کلیم میں اس راز کو بایں طور فاش کیا ہے:

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زُنّاری نہ ہے زماں نہ مکاں' لا الٰہ الا اللہ

۸) ارمغانِ حجاز میں وحدۃ الوجود پر کئی رباعیاں ہیں' میں صرف ایک رباعی درج کرتا ہوں:

تو اے ناداں دلِ آگاہ دریاب بخود مثل نیاگاں راہ دریاب
چساں مؤمن کند پوشیدہ را فاش ز لا موجود الا اللہ در یاب

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز
زناخن سینہ کاویدن بیاموز!

اگر خواہی خدا را فاش بینی خودی را فاش تر دیدن بیاموز
اگر زیری ز خود گیری زہر شو خدا خواہی؟ بخود نزدیک تر شو!

پیامِ مشرق سے لے کر جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی' ارمغانِ حجاز تک جو ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی' اقبال نے اپنی تمام تصانیف میں مسلسل وحدۃ الوجود کی تعلیم دی ہے۔ میں نے بخوفِ طوالت صرف چند اشعار پیش کئے ہیں' طالبانِ حق بطورِ خود اقبال کا از اوّل تا آخر مطالعہ کر لیں' حقیقت واضح ہو جائے گی' یعنی وہ مجھ سے متفق ہو جائیں گے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے ان کی زندگی میں ان سے نہیں پوچھا کہ جناب! آپ نے چند سال کے لئے شیخ اکبرؒ سے اختلاف کیوں کیا تھا؟ بہر حال یہ دونوں باتیں مسلّم اور مبرہن ہیں کہ:

۱) انہوں نے چند سال تک ۱۴-۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۷ء عقیدۂ وحدۃ الوجود سے اختلاف کیا اور ۱۹۱۸ء سے تادمِ وفات دوبارہ اس کی تعلیم دی۔ اب رہی یہ بحث کہ قرآن حکیم اس عقیدے کا حامی یا مؤید ہے یا نہیں، تو اسے ہم کسی دوسری مجلس کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ یار زندہ صحبت باقی!

آخر میں صرف ایک اور اقتباس ان کے خطباتِ مدراس سے پیش کئے دیتا ہوں، تاکہ کسی کے دل میں یہ کھٹک باقی نہ رہے کہ اقبال نے اس مہتم بالشان مسئلے پر اپنی مایۂ ناز متکلمانہ تصنیف میں کس خیال کا اظہار کیا ہے۔ واضح ہو کہ اس کتاب میں بھی انہوں نے وحدۃ الوجود ہی کی تعلیم دی تھی۔ یہ خطبات انہوں نے ۱۹۲۹ء میں سپردِ قلم کئے تھے۔ 'reconstruction' کے صفحہ ۶۸ مطبوعہ آکسفورڈ پر لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''یعنی یہ کائنات سالماتِ مادّی کی غیر شعوری اور غیر اختیاری حرکت سے لے کر فکر انسانی کی بااختیار حرکت تک (یعنی یہ کائنات بحیثیت مجموعی) انائے کبیر یعنی حق تعالیٰ کی ذات کا ظہورِ خارجی ہے۔ یا عرفِ عام میں اس کی ذات کی تجلی یا اظہار ہے۔ میری رائے میں یہ اعتراف فیصلہ کن اور قطعی الدلالۃ ہے جس کے بعد مزید کسی ثبوت کی حاجت نہیں رہتی۔''

(بشکریہ ماہنامہ میثاق، نومبر دسمبر ۱۹۷۸ء)

نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے

سانحۂ کربلا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی
عزیمت وعظمت کی صحیح تصویر

شہیدِ مظلوم رضؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
مناقب اور آپ کی مظلومانہ
شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہد صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا' آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلینِ عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں
کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت
اشاعت خاص: 38 روپے' اشاعت عام: 22 روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

"Dawn" newspaper had written about her talk during the reception that was held in honor of the scholars the night before, "Dr. Collin M. Keyes...had been the student of Islamic movements and the Christian-Muslim relations. She found that Dr. Israr had radical views, which needed a thorough study by religious scholars. She said there should be a spirit of listening each other's views. A dialogue on religious issues would open the minds of people, she said."

The Roundtable Discussion with Dr. Israr Ahmad was a remarkable achievement. It is important to acknowledge that Muslim scholars from the west recognize Dr. Israr as a scholar and a thinker. Dr. Israr for many years had been exporting his ideas to the Muslims in the west. Today, it is great to see his thoughts and ideas being exported to the western intelligentsia and higher academia. It was indeed an historic moment for both Dr. Israr as well as the Tanzeem.

So there you have it. Al-Hamdulillah, we are grateful to Allah (SWT) for allowing such an event to take place. We will not know what we are up against until we hear the criticism of our opponents. It is good that the scholars frankly and openly stated their criticisms. Hopefully the hard work will not go in vain. I trust that Dr. Ibrahim Abu Rabi' will be fair and that he will do justice to Dr. Israr Ahmad, Islam and Muslims in writing the book. It will be, Insha-Allah, a matter of time before we reap the harvest Abu Rabi' and others have sown in the form of a valuable book that will live long after we all leave this world. The final work of Prof. Abu Rabi' is subject to Dr. Israr's approval before it is published.

In conclusion, the months of preparation and hard work were concluded in four long and pleasant days. I got to meet great people. A special thanks goes to everyone who was involved in this project particularly Dr. Sherif Nasr, Br. Amin Varis from North America and Br. Muhammad Ali from Pakistan. We pray to Allah (SWT) to bring out all the good from that conference and we seek refuge in Him from all that is evil that might come out of it, Ameen.

Wa Akhiru Da'wana Anil-Hamdulillahi Rabbil 'Alameen.

responded with compassion and interest in what we had to say and with considerable knowledge and understanding. It's been a fabulous few days and I've considered it an honor to be here...."

Mr. Nirmal Singh – USA: (Spoke in Punjabi)

Dr. Ralph Ahlberg – USA:

"...In preparation for this meeting I've read several of Dr. Israr Ahmad's booklets. In one of them he quotes the Prophet saying that material values are not even worth the value of the wing of a mosquito. Such ideas are very important for both Islam and for Christianity and reflect the teachings especially of Islam that spiritual value should supersede material values...I've been exposed to a classical and forceful interpretation of Islam by Dr. Israr Ahmad. His eloquence and life long love of God that has been formed in him through the study of the Qur'an is impressive to me and to all of the people that I've met here. As a Christian and one who has lived his whole life in the west there is much that I don't agree with in what he said and much that I need to take home and carefully consider...Such meetings and conferences as the one we are now completing builds a kind of understanding that provides a kind of knowledge that we in the United States and in the western world very much need to have. And so I am particularly grateful that I have been invited here and that I've been able to participate in the conference and I thank the conference and Dr. Ahmad for...the gracious hospitality that we have received."

Dr. Mumatz Ahmad – USA: He had to fly back home.

Dr. Worth Loomis – USA:

"It is a great honor for me to be here... I think Dr. Israr Ahmad's knowledge of the subject of Islamic history and his vision of the future was inspiring...it is very important work and in this divided world where religions can create as much trouble as they can solve, it's very important that we all work on interfaith prayer and interfaith activity..."

Sr. Colleen Keyes – USA:

Sister Colleen was sitting in the ladies section of the auditorium and due to segregation and other circumstances she did not participate in the forum. Here is, however, an excerpt of what the

believe in Judaism that the concept of a Jewish Zionist exclusivist state is also wrong. Two, I disagree with the concept of an Islamic State for the whole of the world practically because I believe that this will not occur. I do not believe as opposed to Dr. Israr Ahmad that God has decreed or will decree a world Islamic State. Three, I disagree as you might well expect with Dr. Israr Ahmad's prophecy that all Jews will be destroyed or killed at sometime in the future. Four, I disagree with certain facts alleged by Dr. Israr Ahmad about Judaism, Jews, Zionism and even the American Bush administration. Evidence, available documentation I contend show these few alleged facts, and they're only a few, in a three full days of discussion by Dr. Ahmad I believe that evidence would show that these few facts to be incorrect. Finally, I wish to suggest constructively that all of you in this room as well as numerous others in the Muslim world need to learn more about Judaism, Zionism, Christianity and the United States. Further dialogue would help in this regard; study of primary sources and secondary works is necessary. Perhaps learned lectures by experts in these fields would help. Thank you so very much for having me here."

Dr. Ian Markham – USA:

"...It's a great honor to be here, a great privilege. I am a Christian theologian...It's been a privilege to have this opportunity to get sense of Dr. Israr's thought and understanding about the total shape of Islamic theology and its socio-political and economic implications...he has spoken largely from notes in a captivating way, and believe me when you're suffering from jetlag of some ten hours and day is night and night is day it takes an exceptionally good speaker to keep you interested and fascinated and Dr. Israr is certainly that. The aspects of Dr. Israr's thought I found completely compelling and fascinating....I also found the imaginative way in which he was completely faithful to the Qur'anic text and yet reconciles what science is revealing about evolution with that text immensely compelling and persuasive...and with Norton I am also not entirely persuaded that it's necessary to invoke the language of second class citizens for those who are not Muslim. In addition, I worry a little bit about the language and talk for revolution. As I understand it the word revolution does not occur in the Qur'an and the language of revolution is perhaps I suggest, unnecessary. You can commit to changing society radically using democratic means. But these are the differences that I enjoyed exploring with Dr. Israr and in every instant he

encourage ourselves to engage in different dialogues with different people in the near future. Once again I'd like to thank this community for being so hospitable to us in the past few days, we have learned a lot and we have felt very much at home in beautiful Pakistan. Thank you very much"

Dr. Faris Kaya – Turkey:

"...I attended these three days intense meetings (Roundtable discussion) and I became to know [of] and [was] honored by Dr. Israr Ahmad...I would like to express my thanks and sincere respect to him and to all..."

Dr. Roger Van Zwanenberg – UK:

"... I am deeply grateful for the opportunity that I've had to be in the small group to listen to Dr. Israr Ahmad for the last three days...I am a publisher, and I come from a radical and revolutionary tradition in socialism and Marxism...two years ago after 9/11 it was my decision that we needed in the west to understand the Islamic revival and the Islamic thought and I wish therefore, to bring to my audience Islamic thought and therefore, I was particularly excited when I found that Dr. Israr Ahmad was himself a revolutionary and I was interested and full of respect for the depth of his thought..."

Dr. Norton Mezvinsky – USA:

"...I am an American Jew...I hope that I have contributed something. I also hope that this is the beginning of further dialogue. I have invited Dr. Israr Ahmad to come and speak at my university in the United States at some time in the future. As you might expect, I and other of my colleagues were in agreement with some things that Dr. Israr Ahmad said and we were in disagreement with other things. The agreements were with numerous universal spiritual values. I shall follow the lead of Dr. Israr Ahmad and be frank about my disagreements. One, I disagree theoretically with the concept of an Islamic State that would, while allowing some rights for non-Muslims, not allow other rights most especially political rights to non-Muslims. I oppose as a believer in democracy exclusivist states whether they be based upon color, race, ethnicity, religious belief or any other group distinction. Such exclusivist states in my opinion breed conflict. To be even more specific I oppose the concept of an exclusivist Islamic State just as I oppose as a Jew and

the dinner. It was more or less a press conference with the journalists. The scholars were formally introduced to the audience. Each scholar said a few words while the journalists were noting their comments and remarks. Three articles appeared in the papers in Lahore along with a snap shot photo of all the scholars standing next to Dr. Israr Ahmad. Two articles were in English, (Dawn and The Nation) and the third one was in Urdu.

On Tuesday the 13th, the scholars assembled on the stage of the auditorium of the Qur'an College before a large crowd that filled the seats of the auditorium. They gave their remarks and comments regarding the Roundtable that was just concluded. Dr. Israr gave the final word. Here are some of the things the scholars said:

Prof. Abu Rabi'(The group leader) – USA:

"...Something meaningful will come out of all that interaction...one of the most fascinating lectures we heard ... had been about the intellectual history of Islam in southeast Asia...We need a higher level of engagement not just between the Muslim world on one hand and the western world on the other but also within the Muslim world itself...our desire has been to dialogue with eminent thinkers and philosophers and theologians in the world of Islam and the idea occurred to a number of us that it would be worth our time and our intellectual energy to have an extended dialogue over three, four days with Dr. Israr Ahmad since his thought represents an authentic direction in classical and contemporary Islamic thought and since ... unfortunately, there are not many great thinkers and theologians in contemporary Islam such as Dr. Israr Ahmad...The scholars we have here do represent various fields, various disciplines... we have chosen a diverse number of scholars, women and men, we have chosen Christian, Jews and Muslims to come here and dialogue with Dr. Israr Ahmad...this type of dialogue has to be open. Because these are critical issues that face all of us not just the Muslims in the 21st century or not just the Muslims in the post September 11 situation but also the world at large...some of the ideas that I have heard in the discussion have been new... all of us have been challenged to think or re-think some of our notions about Islam or Islamic thought in India or the Islamic State in Pakistan or the possibility of such a State in Pakistan or throughout the Muslim world in the future...I pray that we will embrace that challenge and that we

tours were also arranged for the scholars. Among the many places, they visited the Mazar of Allamah Iqbal and the infamous Badshahi mosque.

Coming back to the daily activities that took place during this event, Dr. Israr delivered his first lecture entitled, "The Human Personality and the Two Forms of Knowledge." The second lecture was on "Islam, Iman and Jihad Fee Sabilillah." "The Political and Economic System of Islam" was the first of the two lectures Dr. Israr delivered on the second day. His second lecture was on the "Social System of Islam with Special Reference to the Status of Women." On the third and final day Dr. Israr spoke on "Islamic Intellectual History in Modern South Asia, with a special reference to Pakistan" and the final lecture was "The Islamic Revolution and Contemporary Pakistan versus the Prophetic Model of Establishing Islam and the Total Politico-Socio-Economic System." Each of the sessions was followed by constructive discussion generated by the scholars. Most of the scholars were trained in the west and well grounded in the so-called western thought and the values of democracy etc. which explained their reluctance to agree with Dr. Israr on many points. They had their own opinions as well as point of view. Shortly I'll be quoting some of their comments. All in all, the event was beyond the scholars expectations. An audio as well as video recordings were made and to be released soon, Insha-Allah.

The scholars were given a set of Dr. Israr Ahmad's books as a present. I, on behalf of T.I.N.A. also gave them "The End of Democracy" book by Abid Ullah Jan as a gift.

It appears that whatever misconceptions or misunderstandings Prof. Abu Rabi' had about the methodology of the Tanzeem were removed after hearing Dr. Israr speak on the subject. Prof. Abu Rabi' has committed to writing the manuscript and to have it reviewed by Dr. Israr before going to the press. Abu Rabi's estimation to completing the manuscript is by the end of this year. As for the publisher, Dr. Roger V Zwanenberg has committed himself to publish the book. It appears that Dr. Zwanenberg was very much impressed about the methodology of the revolution of Muhammad (SAW). It normally takes about eight months to publish a book with Dr. Zwanenberg.

On the last day Dr. Israr hosted a reception in honor of the scholars. Journalists and notable personalities were invited to

The main objective of this exercise is to have Dr. Israr's thought and ideas be presented to higher academia in the form of a book to be prepared and edited by Dr. Ibrahim Abu Rabi' and published. An agreement between Prof. Abu Rabi', Dr. Israr, T.I.N.A. and Anjuman Khuddam-ul-Qur'an (co-sponsor) was signed to insure the rights of each concerned party.

The shura has overwhelmingly and with great enthusiasm endorsed the idea of the Roundtable discussion and a budget of $10,000 was allocated for this purpose. Many thanks to those who contributed to this cause, and may Allah (SWT) reward them greatly in both worlds, Ameen.

A team of scholars and intellectuals lead by Dr. Ibrahim Abu Rabi' arrived to Lahore to participate in the Roundtable discussion. They were, Dr. Faris Kaya – Turkey, an Executive member of Nursi Movement of Turkey, Sr. Colleen Keyes – US, Dean of Academic Affairs, Tunxis Community College, Dr. Norton Mezvinsky – US (an anti Zionist Jew), Professor of History at Central Connecticut State University, Dr. Ian Markham – US (British origin), Dean of the Seminary and Professor of Theology and Ethics, Dr. Mumtaz Ahmad – US (Pakistan origin), Professor of Political Science at Hampton University, Dr. Worth Loomis – US, former Dean of the Seminary, Macdonald Center Director of Development and Professor of Faith and Public Life, Rev. Dr. Ralph E. Ahlberg – US, Interim Senior Pastor at The First Congregational Church of Greenwich, Connecticut, Mr. Nirmal Singh – US (Sikh), Author and active in Interfaith Activities, and finally the publisher Dr. Roger Van Zwanenberg – UK, Co-Publisher and Managing Director of Pluto Press, an independent Progressive Publishing. Dr. Loomis, Dr. Ahlberg and Dr. Van Zawnenberg were accompanied by their wives. I had the privilege and honor to be seated alongside these scholars.

Guests also attended the program. Hafiz Akif Sa'eed, Ameer of Tanzeem-e-Islami, Pakistan, T.I.N.A.'s General Secretary, Br. Hashim Khan, T.I.N.A.'s Nazimah 'Ulia, Sr. Raana Khan, Dr. Israr's wife and granddaughter were among the guests who were present there.

Accommodations were exceptional. Anjuman had done an excellent job in hosting the program. Dr. Absar Ahmad, Dr. Ghulam Murtaza, and Br. Asif Hameed were among the organizers. The video crew and others were of great help and everything went very smoothly, Al-Hamdulillah. Sight seeing

ROUND TABLE
of foreign intellectuals
with
DR. ISRAR AHMAD

By
Mustapha Elturk
Ameer Tanzeem-e-Islami,North America

Al-Hamdulillah the Roundtable discussion with Dr. Israr Ahmad that took place in a very nice hotel located around Liberty market called Sun Fort in Lahore, Pakistan, was concluded on Monday January 12th, 2004. It went extremely well. The discussion took place over a period of three days starting on Saturday. Each day, Dr. Israr delivered two lectures, each followed by a constructive discussion between Dr. Israr and the scholars who participated in the Roundtable. Before I talk about the event I would like to sketch a brief background regarding this important project.

In late 2002, among other Rufaqa of the Tanzeem, Mahan Mirza, a former Rafeeq, encouraged Professor Dr. Ibrahim Abu Rabi' of Hartford Seminary, one of the oldest universities that teaches Islamic Studies and Christian Muslims Relations, to have a Roundtable discussion with Dr. Israr Ahmad similar to the Roundtable Discussion Prof. Abu Rabi' had with Professor Kurshid Ahmad (from Jama'at-e-Islami). Professor Abu Rabi' has a PhD in Islamic Studies. To my understanding, the idea was to have someone like Abu Rabi', an intellectual scholar grounded in contemporary Islam who knows little about the Tanzeem's ideology, to challenge Dr. Israr's thought and ideas regarding the methodology of the re-establishment of the Just Social Order, Islam. This idea of having a roundtable with Dr. Israr floated for a while until it became a serious matter. It was encouraged by students of the Higher Studies project such as Dr. Ahmad Afzal and the current Higher Studies project director Dr. Sherif Nasr. Dr. Israr obviously welcomed the idea and it was a matter of time before the wish of our Rufaqa and Professor Abu Rabi' materialized.

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

جسے بجا طور پر سلسلہ اقبالیات میں ''بقامت کہتر و لے بقیمت بہتر''
کی مصداق کامل قرار دیا جا سکتا ہے

علامہ اقبال اور ہم

مع

فکر اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ کا جائزہ
اور ہماری قومی ذمہ داریاں

☆☆☆

❁ حیات و سیرتِ اقبال ❁ فلسفہ اقبال
❁ ملت اسلامیہ کے نام علامہ اقبال کا پیغام

از قلم : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

☆☆☆

❁ اقبال اور قرآن ' از قلم: سید نذیر نیازی

قارئین کی سہولت کے لئے فارسی اشعار کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب کیا گیا ہے

قیمت: اشاعت خاص (سفید کاغذ' پائیدار و خوبصورت جلد) 72 روپے

اشاعت عام: (نیوز پیپر ایڈیشن) 30 روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501' فیکس: 5834000